امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

نقیب

ہفتہ وار

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر
مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

معاون
مولانا رضوان احمد ندوی

جلد نمبر 61/71 | مورخہ ۲۲ رذی الحجہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۲ راگست ۲۰۲۱ء روز سوموار | شمارہ نمبر 30

اس شمارہ میں

- اللہ اور رسول اللہ کی باتیں، دینی مسائل
- یادوں کے چراغ، کتابوں کی دنیا
- حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ
- حکایات اہل دل
- طلاق دینے سے گریز کیجئے
- جنگ آزادی میں مسلمانوں کا کردار
- بچوں کا ادب: کل، آج اور کل
- شہادت ہے مطلوب ومقصود مومن
- اخبار جہاں، طب وصحت، ہفتہ رفتہ
- ملی سرگرمیاں، تعلیم وروزگار

بین السطور

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

بدلتا مزاج

موسم کا مزاج تیزی سے بدل رہا ہے اور زمین پر اس کے بڑے منفی اثرات مرتب ہونے والے ہیں اور ہو رہے ہیں، پوری دنیا کے سائنسداں اس صورت حال سے پریشان ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اس تبدیلی کی وجہ سے کلی نہیں تو جزوی طور پر کئی ملکوں میں قیامت آسکتی ہے، ہے نہ ڈرانے والی بات؟ آخر ایسا کیا کچھ ہو گیا ہے کہ سائنسداں خود بھی پریشان ہو رہے ہیں اور دوسروں کی نیندیں حرام کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

دراصل تاریخی اور جغرافیائی طور پر زمانہ قدیم سے یہ بات تسلیم کی جاتی رہی ہے کہ یورپی ممالک میں سردی سخت ہوتی ہے، لیکن قطب شمالی میں اس ٹھنڈک کا گراف دنیا کے سارے ملکوں سے بڑھا ہوتا ہے، یورپ میں جب ٹھنڈ پڑتی ہے تو قطب شمالی کے علاقے برف کے تودے بن جاتے ہیں، اس وقت یورپ سخت سردی کی چپیٹ میں ہے، وہاں برف باری سے انسانی زندگی درہم برہم ہو رہی ہے، درجۂ حرارت صفر سے نیچے جا چکا ہے، اس اعتبار سے قطب شمالی کا مزاج بدلا ہوا ہے، وہاں کا درجۂ حرارت یورپ کے درجہ حرارت سے آگے ہو گیا ہے، معمولاً اس موسم میں وہاں کا درجۂ حرارت صفر سے تیس ڈگری نیچے رہتا ہے، جبکہ ان دنوں قطب شمالی کے بعض حصوں کا درجۂ حرارت ۲ رڈگری تک پہونچ گیا ہے، جو پہلی بار ہوا ہے، اس کا مطلب ہے کہ قطب شمالی میں اس وقت معمول کے اعتبار سے جو درجۂ حرارت رہنی چاہیے اس کے اعتبار سے وہاں لُو چل رہی ہے، یقیناً ہندوستان کے لیے دو ڈگری درجۂ حرارت بھی سخت سردی بلکہ برف بنانے والی سردی ہے، لیکن جہاں درجۂ حرارت صفر سے تیس پینتیس ڈگری نیچے رہتا رہا ہو، وہاں دو ڈگری کو پہونچ جانا بہت بڑی تبدیلی ہے، اور سائنسدانوں نے اس تبدیلی کو رکارڈ کیا ہے، مستقبل قریب میں اس صورت حال کے مزید بگڑنے کا اندیشہ اس لیے ظاہر کیا جا رہا ہے کہ فروری میں سورج وہاں نظر نہیں آتا اور ماحول تاریک رہتا ہے، مارچ میں سورج وہاں دِکھتا ہے ایسے میں درجۂ حرارت تیزی سے بڑھ بھی سکتا ہے، اس بڑھتے ہوئے درجہ حرارت کا اثر سیدھے طور پر جمے ہوئے برف پر پڑے گا، اور وہ تیزی سے پگھل کر پانی بنے گا، پانی بہہ کر مختلف ملکوں میں جائے گا اس کی وجہ سے کرۂ ارض کے کئی جزیرے اور وہاں کے شجر وحجر، چرند وپرند کے ڈوب جانے کا خطرہ بڑھ گیا ہے، بعض جانور اور پرندے خاص ملکوں میں ہی پائے جاتے ہیں، اگر وہ ملک ڈوبتا ہے تو انسان کے ساتھ وہاں کے دیگر جاندار بھی پانی کے پیٹ میں سما جائیں گے اور ان کی نسلیں ختم ہو جائیں گی۔

واقعہ یہ ہے کہ سائنس داں یہ تو کہا کرتے تھے کہ گلوبل وارمنگ کا اثر جیسے جیسے زمین پر پڑے گا، زمین کی برف پگھلنے لگے گی، لیکن اچانک ایک دن درجۂ حرارت اس قدر بڑھنے کی خبر آئے گی، کسی نے اس بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا، یہ وہ صورت حال ہے جس سے نمٹنے کے لیے دنیا کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، دنیا نمٹ بھی نہیں سکتی، اس لیے کہ جب اللہ رب العزت کسی ملک اور علاقہ کو برباد کرنا چاہتے ہیں تو کسی سبب اور چاہیں تو بلا کسی سبب کے نیست ونابود کر دیتے ہیں، سورج کی تمازت، پانی کی طغیانی، ہوا کی روانی، برف کا جمانا اور پگھلانا سب اسی کے ہاتھ میں، ایک چیخ قیامت برپا کرنے کے لیے کافی ہے، سابقہ امتوں کو اللہ نے پانی، ہوا، چیخ، زلزلہ سے ہلاک کر دیا، قوموں کی تاریخ بتاتی ہے کہ انسانی تدبیریں دھری کی دھری رہ گئیں اور تقدیر الٰہی نے اپنا کام کر دیا۔

یقیناً موسم کا مزاج برہم ہوتا رہتا ہے، خود ہمارے ہندوستان میں سردی اور گرمی کے مہینے ہماری دسترس میں نہیں ہیں، کبھی ٹھنڈ کے مہینے میں گرمی پڑنے لگتی ہے اور کبھی گرمی کے مہینے میں سردی کا احساس جاگ جاتا ہے، کبھی برسات جھاجھوں برستا پانی کا منظر پیش کرتا ہے اور کبھی بارش کے مہینے خشکی کی نظر ہو جاتے ہے، لوگ آسمان پر اڑ رہے بادلوں کو حسرت سے دیکھتے ہیں، لیکن پانی کا ایک قطرہ زمین پر نہیں آتا، اس کا مطلب ہے کہ اللہ کے نزدیک یہ مہینے اصل نہیں ہیں، یہ تو ہم نے اپنے تجربہ کی روشنی میں جاڑے گرمی برسات میں بانٹ دیے ہیں، اصل اللہ کی مرضی ہے، وہ جو چاہے کرے اور جیسے چاہے کرے، ہم تو اللہ کے بندے ہیں، راضی برضائے الٰہی رہنا ہمارا شیوہ ہے، موسم کا مزاج بدلے یا قطب شمالی کی برف پگھلے، ہم تو قیامت کو مانتے ہیں اور یہ بھی کہ قیامت قریب ہے، فکر اپنے اعمال کی ہونی چاہیے اور تیاری قیامت کے بعد کی، کیا ہم اس کے لیے تیار ہیں؟ یہ ایک سوال ہے، جس کا جواب ہر کس وناکس کو اپنے اندر تلاشنا چاہیے۔

پولی تھین

گذشتہ چند سالوں میں دوکانداروں کے ذریعہ گاہکوں کو سامان دینے کے لیے پولی تھین کے تھیلوں کا استعمال تیزی سے بڑھا ہے، سامان استعمال کرنے کے بعد خالی پولی تھین پھینک دیے جاتے ہیں، یہ پھینکے ہوئے پولی تھین نالیوں میں جا کر گٹر کو جام کر دیتے ہیں، جانور اسے کھا لیتے ہیں، تو ان کا دم گھٹ جاتا ہے، پولی تھین اور پلاسٹک میں استعمال ہونے والی اجزاء انسانی زندگی کے لیے بھی سخت نقصان دہ ہیں، اس سے کینسر جیسے مہلک مرض کے ساتھ کئی اور بیماریوں کے پیدا ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

صرف، ریاست بہار میں دو ہزار میٹرک ٹن سے زیادہ پولی تھین اور پلاسٹک کے کچڑے زندگی میں زہر گھول رہے ہیں، چوں کہ یہ سڑتے گلتے نہیں ہیں، جس کی وجہ سے زمین کی پیداواری کی قوت بھی متاثر ہوتی ہے، پٹنہ ہائی کورٹ کی واضح ہدایات اور بعض جگہوں کو پولی تھین سے بالکلیہ آزاد کرنے کے حکم کا بھی کوئی اثر دیکھنے میں نہیں آ رہا ہے۔

جن اضلاع میں پولی تھین کے استعمال سے خطرات بڑھے ہیں، ان میں پٹنہ، گیا، سیوان، آرہ، بکسر، نالندہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، یہاں پلاسٹک اور پولی تھین کے کچڑوں کے ضائع کرنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا، اور کہنا چاہیے کہ لوگ پولی تھین کے کچڑوں کے ڈھیر پر بیٹھے ہیں۔

ان کچڑوں سے آزادی حاصل کرنے کے سلسلے میں مظفر پور نے مثالی پہل کی ہے، یہاں کمپوسٹ کیڈ لگا کر کچڑے سے کھاد بنانے کا کام شروع کیا گیا ہے، اب تک نگر نگم نے ایک سو پچاس ایسے کیڈس لگائے ہیں اور ایک سو مزید لگانے کے منصوبے پر کام چل رہا ہے، یہاں بھی نگر نگم علاقہ سے روزانہ تین سو میٹرک ٹن کچڑا نکلتا ہے، اس میں چالیس سے پچاس میٹرک ٹن پولی تھین کا کچڑا ہوتا ہے، بھاگلپور میں کچڑوں کو جلایا جاتا ہے، جس سے فضائی آلودگی پیدا ہوتی ہے، اور قریب کے سوا ایکڑ زمین بنجر ہو کر رہ گیے ہیں، دو سو پچاس پیڑ بھی جل کر خاکستر ہو گیے، یہ تو ظاہری نقصان ہے۔

صحیح صورت حال یہ ہے کہ پولی تھین کچڑا جلانے سے کاربن ڈائی اکسائڈ، کاربن مونو اکسائڈ اور ڈائی لاگ سین، ڈائی آکسین گیسوں کا اخراج ہوتا ہے، جو سانس، جلدی امراض شوگر کے ساتھ انسان کے نظام ہاضمہ کو بھی متاثر کرتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ پولی تھین پیٹرو کیمیکل مصنوعات میں سے ہے، جس میں نقصاندہ گیسوں کا استعمال کیا جاتا ہے، رنگین پولی تھین خاص کر ''لیڈ بلیک کاربن'' ''کرومیم'' نیز ''کاپر'' وغیرہ کے باریک اجزاء سے تیار ہوتے ہیں، یہ اجزا صرف انسان ہی کے لیے نہیں تمام جانداروں کے لیے نقصان دہ ہیں۔

پولی تھین کے استعمال سے پہلے کاغذ کے ''دونے'' استعمال ہوا کرتے تھے، یہ صحت کے لیے نقصان دہ نہیں تھے، اور آسانی سے سڑ گل جاتے تھے، لیکن کاغذ درختوں کے اجزاء سے بنتے ہیں اور فضائی آلودگی سے بچنے کے لیے درختوں کا وجود ضروری ہے، چنانچہ درختوں کے تحفظ کے نقطۂ نظر سے پولی تھین بدل کے طور پر استعمال ہونے لگا اور وہ زیادہ نقصان دہ ثابت ہوا، اس پریشانی کا حل یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ردی کپڑوں اور جوٹ کے بنے تھیلے کا استعمال شروع کیا جائے، جوٹ کے تھیلے تھوڑے مہنگے پڑیں گے، لیکن اس کا استعمال ہر اعتبار سے محفوظ ہوگا، دوسرا بدل ردی کپڑوں کا تھیلوں کے لئے استعمال ہے، سرکار چاہے تو یہ کام ''جیویکا'' اسکیم کے تحت کروا سکتی ہے، اس کا دہرا فائدہ ہوگا، مارکیٹ کو تھیلے مل جائیں گے، جیویکا سے جڑے لوگوں کو روزگار ملے گا اور عام لوگوں کا بھلا یہ ہوگا کہ وہ فضائی آلودگی سے بچ جائیں گے۔

اس معاملہ میں دوسرے سماجی معاملات کی طرح عام شہریوں کو بھی حساس ہونے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ سرکاری اسکیموں اور پابندیوں کو عوامی حمایت حاصل نہ ہو تو اس کا نفاذ عملاً دشوار ہو جاتا ہے، ہمیں اس کام میں سرکار کو تعاون دینا چاہئے کیوں کہ یہ ہماری زندگی کی بقا اور صحت وعافیت کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

اچھی باتیں

''جھانکنے کی بہترین جگہ اپنا ''گریبان'' اور رہنے کی صحیح جگہ اپنی ''اوقات'' ہے ☆☆ اسلام کی تمام تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان دنیا کو ضروریات کے لیے رکھے اور خواہشات کے لیے آخرت کا انتظار کرے۔/نفرت کی زبان بولنے والے کچھ سیاسی سنیاسی اور کٹر سیاست داں یہ سمجھ رہے ہیں کہ نفرت کی کھیتی کر کے وہ دوسرے کو زیر کر لیں گے، ان بے چاروں کو معلوم نہیں کہ دوسرے کو گندہ کہنے سے خود کو پاک صاف ثابت نہیں کیا جا سکتا۔''

(حاصل مطالعہ)

بلا تبصرہ

''آج حکومت کا مخالف پہلے بازار مخالف کہلاتا ہے، پھر نکسل نواز قرار پاتا ہے، پھر وہ اربن نکسل بن جاتا ہے، کبھی کبھی وہ مذہبی حوالہ سے دہشت گرد ٹھہرایا جاتا ہے اور آخر میں ملک سے غداری کی صورت میں تان ٹوٹتی ہے، ملک لفظ کا ایسا گندہ اور ملک مخالف استعمال اس سے قبل کسی اور نے نہیں کیا ہوگا، جیسا کہ ان دنوں حکومت کر رہی ہے، وہ اپنے لیے ہر اس قدم کو جس سے انہیں نقصان پہونچنے کا احتمال ہو وہ ملک سے غداری قرار دے دیتی ہے۔''

(انقلاب ۲۳ رجولائی ۲۰۲۱ء)

Scanned with CamScanner

اللہ کی باتیں ـــــ رسول اللہ کی باتیں

مولانا رضوان احمد ندوی

ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنایئے

''اور اپنی بیویوں کے ساتھ اچھی طرح گذر بسر کرو، اگر وہ تم کو نہیں بھاتی ہیں تو ہوسکتا ہے کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ نے اسی میں بہت سی خوبیاں رکھی ہوں'' (سورۂ نساء:۱۹)

مطلب:۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اللہ رب العزت نے ازدواجی زندگی کو پر کیف اور خوشگوار بنائے رکھنے کے لئے ایک زریں نسخہ عطا فرمایا ہے کہ اگر تمہاری بیوی کی کوئی عادت تمہیں ناپسند ہو تو یہ سوچ کر اسے نباھنے کی کوشش کرو کہ ممکن ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے اسی میں خیر رکھا ہو، اسی مضمون کی ایک حدیث بھی ہے کہ کوئی مومن مرد اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہ کرے، اگر بیوی کی کوئی عادت اس کو ناپسند ہو تو ہوسکتا ہے کہ دوسری خصلت اسے پسند آجائے، کیونکہ انسان بسا اوقات کسی چیز کو ناپسند کرتا ہے، حالانکہ وہ چیز خیر سے پُر اور برکت سے لبریز ہوتی ہے، یقین مانئے کہ زوجیت کا رشتہ حقیر جذباتی رجحان سے بلند تر ہوتا ہے، اس لئے شوہر پر لازم ہے کہ وہ صبر و تحمل اور حلم و بردباری، بلکہ کشادہ قلبی سے کام لے اور عورتوں کے نسوانی مزاج کا خیال رکھتے ہوئے مروت و شرافت کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھے، یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ اس کی فطرت ہے اگر آپ نے چشم پوشی سے کام لیا اور اس کی خامیوں کو نظر انداز کیا تو گھر امن وسکون کا گہوارہ ہوگا اور ازدواجی زندگی بھی چین وسکون سے گذرے گی، میاں بیوی کا تعلق نہ تو جز وقتی ہوتا ہے اور نہ خالص اس کا مقصد خواہشات نفس کی تکمیل ہے، بلکہ اس کے علاوہ دوسرے مقاصد بھی ہیں اور اس کے لئے ضروری ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ذہنی وفکری طور پر ہم آہنگ ہوں یا کم از کم ایک دوسرے کی رعایت ضرور کریں، مردوں کو چاہئے کہ وہ اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کریں، اس لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی نفسیات کا خیال رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر طویل خطبہ دیتے ہوئے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! سنو، عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آؤ، کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہے، تمہیں ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے کا کوئی حق نہیں، سوائے ان صورت کے جب ان کی طرف سے کوئی کھلی ہوئی نافرمانی سامنے آئے، اگر وہ ایسا کریں تو پھر خواب گاہ میں ان سے علیحدہ رہو اور انہیں تنبیہ کرو، پھر جب وہ تمہاری کہنے پر چلنے لگیں تو ان کو خواہ مخواہ ستانے کے بہانے نہ ڈھونڈو، سنو! تمہارے کچھ حقوق تمہاری بیویوں پر ہیں اور تمہاری بیویوں کے کچھ حقوق تمہارے اوپر ہیں، ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں کو ان لوگوں سے نہ روندوائیں، جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور تمہارے گھروں میں ایسے لوگوں کو ہرگز نہ گھسنے دیں جس کا آنا تمہیں ناگوار ہو اور سنو ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں اچھا کھلاؤ اور اچھا پہناؤ (ترمذی شریف) اس حدیث پاک میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زوجین کے حقوق اور ذمہ داریوں کی پوری وضاحت کردی ہے، اگر مسلمان ان خطوط ونقوش پر عمل پیرا ہوجائے تو دونوں کی زندگی کیف وسرور کے ساتھ گذرے گی اور کسی کو کسی سے کوئی تکلیف نہیں پہونچے گی۔

ناپ تول کر بولئے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کے لئے یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے، اسے بیان کرتا پھرے۔ (مسلم شریف)

وضاحت:۔ اسلام کی ہر شئی میں خواہ وہ عقیدہ سے متعلق ہو یا عبادت سے یا اخلاق ومعاملات سے، مرکزی چیز اللہ رب العزت کی خوشنودی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری ہے، ہر وہ کام اور عمل اچھا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول پسند فرماتے ہیں اور وہ برا ہے جس کو وہ ناپسند فرمائے اس بنا پر اسلام کی نظر سے اخلاق کی دو قسمیں ہیں وہ اخلاق جن کو خدا پسند فرماتا ہے یہ فضائل کہلاتے ہیں جیسے تواضع وخاکساری، دیانت داری اور ایثار وقربانی وغیرہ کرنے والے کو اللہ محبوب رکھتے ہیں اور وہ کام جن کو وہ ناپسند کرتا ہے، رذائل ہیں جن سے بچنے کا حکم اس نے اپنے بندوں کو دیا ہے جن کے کرنے والے اس کے حضور میں گنہگار ٹھہرتے ہیں اور جن کی بدولت انسانی افراد اور جماعتوں کو روحانی اور مادی نقصانات پہونچتے ہیں اور ان کی معاشرت تباہ ہوجاتی ہے جیسے غیبت وچغل خوری، بدگمانی اور بے ایمانی اور دروغ گوئی وغیرہ سے دینی ودنیاوی ترقیوں کی راہیں مسدود اور سعادت اور اقبال مندی کا دروازہ اس پر بند ہوجاتا ہے، انہیں بری عادتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر سنی سنائی باتوں کو بغیر تحقیق کے بیان کیا جائے، اس لئے یہ ایک درجہ کا جھوٹ ہے اور جس طرح جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کی عادت رکھنے والا آدمی قابل اعتبار نہیں ہوتا اسی طرح یہ آدمی بھی لائق اعتبار نہیں رہتا، سوسائٹی میں اس کی باتوں کی کوئی قدر نہیں رہتی، اس لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سنی سنائی باتوں کو نقل کرنے سے منع فرمایا: "کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ماسمع" آدمی کے لئے یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے بیان کرتا پھرے، ایسے لوگوں کو جو ہر سنی سنائی بات پر یقین کرلیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے "سمّعون للکذب" جھوٹ کے بڑے سننے والے کا خطاب دیا ہے، اکثر یہ دیکھا گیا کہ بہت سے لوگ خوش گپی کے موقع پر محض لطف ومحبت کے لئے ہی جھوٹ بولتے ہیں، اس سے بھی اگرچہ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہونچتا بلکہ بعض موقعوں پر ایک دلچسپی کی چیز بن جاتی ہے، تاہم اسلام نے اس کی بھی اجازت نہیں دی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے اس پر افسوس ہے کیونکہ اس سے آدمی کا وزن ہلکا ہوتا ہے اور اس کی بات بے اعتبار ہوتی ہے اور ہر شخص یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کا سچ وجھوٹ برابر ہے، اس لئے ہر مومن بندہ کو چاہئے کہ وہ بغیر تحقیق کے کسی بات کو نقل کرنے سے پرہیز کرے اور خوش گپی کے موقع پر بھی زبان کو دروغ گوئی سے محفوظ رکھے۔

دینی مسائل

مفتی احتکام الحق قاسمی

عورت کو کفن دینے کا طریقہ:

س: عورت کو کتنے کپڑے میں کفن دینا مسنون ہے؟ کفن کی تفصیل وترتیب کیا ہے؟

ج: عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دینا مسنون ہے، (۱) لفافہ، (۲) ازار، (۳) قمیص، (۴) سینہ بند، (۵) سر بند، ان لیلیٰ بنت قانف الثقفیة قالت کنت فیمن غسل ام کلثوم ابنة رسول الله صلی الله علیه وسلم عند وفاتها فکان اول مااعطانا رسول الله صلی الله علیه وسلم الحقاء ثم الدرع ثم الخمار ثم الملحفة ثم ادرجت بعد فی الثوب الاخر قالت و رسول الله صلی الله علیه وسلم جالس عند الباب معه کفنها یناولناها ثوبا ثوبا (سنن ابی داؤد ۳۱۵۰ کتاب الجنائز)

ازار: لمبائی میں سر سے لے کر پیر تک

لفافہ: بڑی چادر (لمبائی میں ازار سے اتنا فاضل ہو کہ سر اور پیر کی جانب باندھا جاسکے۔

قمیص: گردن سے لیکر پیر تک۔

سینہ بند: سینہ سے لے کر ران تک۔

سر بند: اتنا لمبا کہ سر سے لیکر سینہ تک بالوں کو ڈھانکا جاسکے۔

قوله: (ازار الخ) هو من القرن الی القدم، والقمیص من اصل العنق الی القدمین بلاد خریص وکمین، واللفافة: تزید علی مافوق القرن والقدم لیلف فیها المیت وتربط من الاعلی والاسفل (رد المحتار: ۳/۹۵)

قوله: (وخمار) بکسر الخاء: ماتغطی به المراۃ راسها قال الشیخ اسماعیل ومقداره حالة الموت ثلاثة اذرع بذراع الکرباس یرسل علی وجهها ولایلف. قوله:(وخرقة) والاولی ان تکون من الثدیین الی الفخذین (رد المحتار:۳/۹۶)

کفن دینے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے لفافہ بچھایا جائے اس کے بعد ازار بچھایا جائے، پھر سینہ بند پھر قمیص کا نچلا حصہ بچھایا جائے اور اوپر کا حصہ سمیٹ کر سرہانے کی طرف رکھ دیا جائے میت کو غسل کے بعد اس قمیص پر لٹا دیا جائے، اوپر والا حصہ جسکو سمیٹ کر سرہانے کی طرف رکھا گیا تھا میت کے جسم پر پھیلا دیا جائے، میت کے سر میں خوشبو، پیشانی، ناک، دونوں ہتھیلی، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر کافور مل دیا جائے، پھر سر کے بالوں کو دو حصے کر کے سینہ پر دائیں اور بائیں جانب رکھ دیا جائے اور سر بند یعنی اوڑھنی سر اور بالوں پر اوڑھا کر قمیص پر رکھ دیا جائے، اس بعد سینہ بند پھر ازار پھر لفافہ لپیٹ دیا جائے، اس طرح کہ ہر کپڑے کا بایاں حصہ نیچے ہو اور دایاں اوپر، اگر سینہ بند کو لفاف اور ازار کے درمیان رکھا جائے تو بھی درست ہے۔

ویوضع الحنوط فی رأسه ولحیته وسائر جسده، کذا فی المحیط، ولا بأس بسائر الطیب غیر الزعفران والورس فی حق الرجل، کذا فی الایضاح ویوضع الکافور علی جبهته وانفه ویدیه ورکبتیه وقدمیه (الفتاوی الهندیه: ۲/۱۶۱)

وفی الجوهرة: توضع الخرقة تحت اللفافة وفوق الازار والقمیص وهو الظاهر (البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۳/۳۱۰)

وفی الاختیار: تلبس القمیص ثم الخمار فوقه ثم تربط الخرقة فوق القمیص (رد المحتار: ۳/۹۹)

فسادات میں مقتول مسلمان شہید ہے یا نہیں؟

س: دنگے فساد میں دنگائی لوگ مسلمانوں کے گھر میں گھس کر مردوں، عورتوں کو قتل کردیتے ہیں، بہت سارے مسلمان دکان ومکان اور مسجد کی حفاظت میں مارے جاتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا یہ لوگ شہید ہوں گے اور ان پر حقیقی شہید کا حکم نافذ ہوگا؟

ج: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے اہل وعیال کی حفاظت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، جو اپنی جان کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے اور جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے۔

عن سعید بن زید رضی الله تعالیٰ عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من قتل دون ماله فهو شهید ومن قتل دون اهله فهو شهید ومن قتل دون دینه فهو شهید ومن قتل دون دمه فهو شهید (سنن ابی داؤد: ۲/۶۵۸)

لہٰذا صورت مسئولہ میں جو بھی مسلمان کسی دنگائی کے ہاتھ مارا جائے وہ شہید ہے اس کو اسی خون آلود کپڑے میں بغیر غسل دیئے ہوئے نماز جنازہ پڑھ کر دفن کردیا جائے۔

عن جابر رضی الله عنه قال: رمی رجل بسهم فی صدره او فی حلقه فمات فادرج فی ثیابه کما هو، قال ونحن مع رسول الله صلی الله علیه وسلم. رواه ابو داؤد. وقال النووی فی الخلاصة سنده علی شرط مسلم (اعلاء السنن: ۸/۳۶۳)

ومن قتل مدافعا عن نفسه او ماله او من المسلمین او اهل الذمه بای آلة قتل بحدید او حجر او خشب فهو شهید کذا فی محیط السرخسی (الفتاوی الهندیه: ۱/۱۶۸) فقط

واللہ تعالیٰ اعلم

Scanned with CamScanner

امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

امارت شرعیہ بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ کا ترجمان
ہفتہ وار
نقیب

پھلواری شریف

جلد نمبر 61/71 شمارہ نمبر 30 مورخہ ۲۲؍ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۲؍اگست ۲۰۲۱ء روز سوموار

چارۂ کار

ملک کے موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لیے چارہ کار کیا ہے؟ یہ ایک سوال ہے جو آج ہر سطح پر ایمان والوں کے درمیان اٹھ رہا ہے، لوگ ان حالات کو خطرناک سمجھ رہے ہیں اور اسے ہندوستان میں مسلمانوں کی بقا کا مسئلہ گردانتے ہیں، عام لوگوں کو بھی حالات کی سنگینی کا احساس ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم اب تک یہ بات نہیں سمجھ پائے کہ اصل خطرہ حالات سے نہیں ہے، بلکہ ہماری بے حسی سے ہے، دین کے معاملے میں اب بھی ہمارے اندر تبدیلی نہیں پائی جارہی ہے، کاروبار دنیا حسب سابق جاری ہے اور سوائے خوف ودہشت کے ہمارے اعمال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے، حالاں کہ حالات میں سدھار عمال وحکام کے بدلنے سے نہیں، اعمال کے بدلنے سے ہوگا، انابت الی اللہ اور دین پر مضبوطی سے کاربند ہونا وہ نسخۂ کیمیا ہے، جو احوال وکیفیات کے بدلنے میں ہر دور میں معاون ومددگار رہا ہے، دلوں کو بدلنے والی ذات اللہ کی ہے اور اس کی مرضی ہو تو سب کچھ منٹوں میں نہیں سکنڈوں میں بدل جائے گا، ضرورت اللہ کو راضی کرنے کی ہے اور اس کی خفگی والے کاموں سے بچنے کی ہے۔

اپنے غیر مسلم بھائیوں تک فکری اور عملی طور پر اسلام کا پیغام پہونچانا بھی اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے ہمیں انہیں ہر سطح پر یہ باور کرانا ہوگا کہ ہمارے وجود سے اس ملک کی سرسبزی وشادابی ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں ہم اس ملک کے لیے مفید رہے ہیں، اس ملک پر جب مسلمانوں کی حکومت تھی تو یہ ملک اس دور کے اعتبار سے تیزی سے ترقی کر رہا تھا، عظیم ہندوستان کا جو تصور آج پایا جاتا ہے اس کی داغ بیل مغلیہ دور حکومت میں پڑی تھی، انگریزوں نے جتنے بڑے ہندوستان پر جبراً قبضہ کرلیا تھا، اتنا بڑا ہندوستان تو آج بھی نہیں ہے، آزاد ہندوستان، پورا پورا ہندوستان باقی نہیں رہا، اس ملک کی جتنی تاریخی عمارتیں ہیں، جن پر ہندوستان ناز کرتا ہے اور جو پوری دنیا میں ہندوستان کی شناخت اور پہچان کا سبب ہیں، وہ سب اس ملک کو مسلمانوں کی دین ہیں، تاریخ کو دیومالائی روایت سے تبدیل نہیں کیا جائے اور غیر جانبدارانہ جائزہ لیا جائے تو ہر پڑھا لکھا آدمی اس کی تائید پر خود کو مجبور پائے گا۔

ہمیں انسانی بنیادوں پر خدمت خلق کے کام کو مزید آگے بڑھانا چاہیے، امیر شریعت سادس حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب ؒ فرمایا کرتے تھے کہ خدمت خلق سے دل پر اور تعلیم سے دماغ پر قبضہ ہوتا ہے، موجودہ عدم رواداری کے ماحول میں اسلامی تعلیمات اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہم انسانی بنیادوں پر خدمت کر کے نفرت کے اس ماحول کو بدل سکتے ہیں، یہ ہمارے لیے اور ملک کے لیے بھی فائدہ مند ہوگا، یقیناً مقابلہ جن لوگوں سے ہے وہ سخت دل، جابر وظالم اور انسانیت کے احترام سے عاری لوگ ہیں، لیکن جب پتھر پر مستقل پانی پڑتا رہے تو وہ گھس جاتا ہے اور کبھی پتھر میں سوراخ کر دیتا ہے تو بھلا حسن اخلاق اور اچھے کردار سے ان کے دلوں پر دیا جانے والا دستک رائیگاں کیسے جاسکتا ہے۔

برادران وطن کے ذہن کو جس چیز نے سب سے زیادہ خراب کیا ہے، وہ فرقہ پرست طاقتوں کا یہ پروپیگنڈہ ہے کہ ہم ان کے دشمن ہیں، اور ہمیشہ ان کو نقصان پہونچانا چاہتے ہیں، یہ جھوٹ اتنی بار بولا گیا ہے کہ ہمارے غیر مسلم بھائیوں کو سچ معلوم ہونے لگا، حالانکہ ہم تو تمام انسانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مانتے ہیں، فرق یہ ہے کہ ہم اس دعوت پر لبیک کہہ کر قبول کرنے والے لوگ ہیں، جب کہ ہندوستان کے دیگر مذاہب کے لوگ امت دعوت ہیں، یعنی ان تک اسلام کا پیغام، دین کی دعوت پہونچانا، ہماری ذمہ داری ہے، دونوں جب ایک نبی کی امت ہیں تو اس میں نفرت کا گذر ہو ہی نہیں سکتا، کیوں کہ ہم کسی سے نفرت کر کے اس تک دین کی دعوت پہونچا نہیں سکتے، دعوت کا یہ کام محبت کی بنیاد پر ہی کیا جاسکتا ہے، اور اس جذبہ اور سوچ کے ساتھ ہی ممکن ہے کہ ہمارے دوسرے بھائی بھی جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں، اس کے لیے تو محبت ہی محبت کے ساتھ کام کرنا ہوگا، نفرت سے دعوت کا کام ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا، اس لیے مسلمانوں کو موجودہ حالات میں اس نقطۂ نظر سے نہ صرف غور کرنا چاہیے؛ بلکہ عملی میدان میں قدم آگے بڑھانا چاہیے۔

ہندوستان کا ماحول اس کام کے لیے اب بھی سازگار ہے، کیوں کہ یہاں کے ستر فی صد باشندے کھلے ذہن اور سیکولر سوچ کے ہیں، اگر اس لائن سے محنت نہیں کی گئی تو اندیشہ ہے کہ فرقہ پرستوں کی تعداد اسی، پچاسی فی صد کو پہونچ جائے گی، اس وقت فرقہ پرستی کے سیلاب بلاخیز کے لیے بند باندھنا ناممکن ہوجائے گا، اس لیے کام میں تاخیر کی اب کوئی گنجائش نہیں ہے، تحفظ شریعت کی سوچ کے ساتھ اس کام کو کرنا عبادت ہے اور اجر وثواب کے اعتبار سے دعوت دین کے یہ ہم پلہ ہوگا۔ اس کام کو مؤثر بنانے کے لیے ذہن سازی بھی کرنی ہوگی، اور دلتوں نیز دبے کچلے لوگوں پر اسلام کی تبلیغ کا فریضہ انجام دینا ہوگا اور ان پر واضح کرنا ہوگا کہ یہ ہماری مجبوری نہیں، مذہبی فریضہ ہے، اس طرح اگر ہم نے اپنی نافعیت لوگوں پر ثابت کردی تو اس تاریک رات کی سحر ہوگی اور انشاء اللہ ضرور ہوگی۔

فریب کاری

آزادیٔ نسواں اور حقوق انثی کے نام پر پوری دنیا میں جو تماشے ہورہے ہیں، اور جس طرح عورتوں کو بازار کی زینت بنادیا گیا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، صنف نازک کی عریاں تصویر کے بغیر ماچس کی ڈبیہ تک مارکیٹ میں نہیں آتی، کھلے عام بے محابا آزادی کے نام پر جسم کی نمائش، کلبوں میں رقص وسرور کی فن کاری اور اداکاری یہ سب عورتوں کو سر بازار رسوا کرنے اور ان کی آبروریزی تک آسانی سے پہونچنے کے لیے مغرب نے ہتھکنڈوں کے طور پر شروع کیا تھا، مشرق نے اس کی نقالی کی اور یہاں بھی عورتوں کو نچانا فیشن ہوگیا، فن کے نام پر، ثقافت وتہذیب کے حوالہ سے انہیں ننگا کردیا گیا اور اب تو یہ صورت حال ہے کہ عورتیں ''کاسیات عاریات''، ملبوس ہو کر بھی ننگی نظر آتی ہیں اور وہ سمجھتی ہیں کہ اس سے ان کا حسن دوبالا ہو رہا ہے، ان کی پذیرائی ہو رہی ہے، اور ان کے جلوے دنیا کی آنکھوں کو خیرہ کر رہے ہیں، ابھی حال ہی میں پاکستان کی بعض عورتوں کا یہ نعرہ اخبارات کی زینت بنا تھا کہ ''میرا جسم میری مرضی''، یعنی وہ جس طرح چاہیں گی، اپنے جسم کی نمائش کریں گی اور جس کے ساتھ رات گذارنے کی مرضی ہوگی اپنا جسم پروس دیں گی، مذہب، اخلاق، کیرکٹر وکردار، سماجی بندھن اور تہذیبی روایات سب کا جنازہ اس جملے نے نکال دیا، لوگ تالیاں پیٹ رہے ہیں کہ عیاشی، فحاشی، بدکاری، زناکاری کی راہ آسان ہوگئی ہے، اور عورتیں خوش ہیں کہ ہم آزاد ہیں، ہمارے جسم وجان پر کسی کی حکومت نہیں ہے۔

ہندوستان نے جو کچھ مغربی ممالک سے برآمد کیا، اس نے رشتوں میں توڑ کو بڑھاوا دیا، پہلے یہ حکم آیا تھا کہ اٹھارہ سال کی عمر سے قبل شوہر کا جنسی تعلق قائم کرنا زنا بالجبر کے زمرے میں آئے گا اور عورتوں کو ہراساں کرنے، تشدد برتنے اور ریپ (عصمت دری) کی جو سزا ہے وہ انہیں دی جائے گی، اٹھارہ سال کے بعد بھی اگر کسی نے بیوی کی مرضی کے بغیر جنسی تعلق قائم کیا تو وہ بھی عصمت دری شمار ہوگی، اور بیوی چاہے تو اسے جیل کی ہوا کھلا سکے گی، عدالت عظمیٰ (سپریم کورٹ) نے عورتوں کے حقوق کے حوالہ سے ایک فیصلہ میں بات کہی ہے وہ فاضل جج صاحبان کے نزدیک حقوق نسواں کے تحفظ کی ایک صورت ہے، لیکن اس سے خاندان ٹوٹ کر رہ جائے گا، اور عورتوں کے نام نہاد حقوق کے نام پر شوہر کی حق تلفی ہوگی، اس کی طرف معزز جج صاحبان کا ذہن نہیں گیا، عدالت کا خیال ہے کہ بیوی کوئی منقولہ جائیداد نہیں ہے کہ شوہر ساتھ ساتھ لے کر گھومتا اور چلتا رہے، اگر بیوی اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی ہے تو شوہر اپنی خواہش کے باوجود بیوی پر دباؤ نہیں بنا سکتا کہ وہ اس کے ساتھ رہے ہی، یہ بات عدالت نے ایک عرضی پر سماعت کرتے ہوئے کہی، سماعت کے دوران جسٹس مدن لویوکور اور دیپک گپتا کی مشترکہ بینچ نے شوہر پر واضح کردیا کہ اگر آپ کی بیوی آپ کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی ہے تو آپ اس کے ساتھ کیسے رہیں گے، اس لیے شوہر کو چاہیے کہ وہ ساتھ رہنے کی اپنی خواہش پر نظر ثانی کرے۔

میاں بیوی کے تعلقات کی اساس وبنیاد آپسی محبت ہے، اس محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ رہیں، خوشی وغمی میں ایک دوسرے کے رفیق بن کر رہیں، ایک دوسرے سے مشکلات اور پریشانیاں بیان کرنے سے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے، دونوں مل کر بچے کی تربیت کرتے ہیں، مرد باہر کا نگراں ہوتا ہے اور عورت گھر کے داخلی اور اندرونی نظام کو دیکھتی ہے، روزی روٹی اور نان ونفقہ شریعت نے شوہر کے ذمہ کیا، تاکہ عورتیں اس بکھیڑے سے آزاد رہیں، اور اپنی پوری توجہ گھریلو نظام کی درستگی اور بچوں کی پرورش وپرداخت پر مرکوز رکھیں، شریعت اسلامی میں اس رشتہ کی قربت کے لیے ایسی تعبیر اللہ رب العزت نے اختیار کی کہ اس سے زیادہ قربت کا کوئی تصور نہیں ہوسکتا، قرآن کریم میں اللہ نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا، لباس جسم سے چمٹا ہوتا ہے، سردی گرمی سے بچاتا ہے، جسمانی عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے اسی طرح زن وشو اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی کمی کوتاہی پر پردہ ڈالنے کا کام کرتے ہیں۔

عدالت کے اس حکم سے جسم وجان کی وہ قربت باقی نہیں رہ سکے گی، تو محبت کا جنازہ نکل جائے گا، ایک دوسرے سے یہ دوری مرضی اور ملازمت وغیرہ کے تقاضوں کی بنا پر ہو تو گاڑی چلتی رہتی ہے، لیکن اگر کسی دن بیوی نے عدالت کے اس جملے ہی کو دہرا دیا کہ میں منقولہ جائیداد نہیں ہوں، میں آپ کی مرضی کے مطابق آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتی، تو سوچیے خاندان کا کیسا تیاپانچہ ہوجائے گا، اور مرد کے لیے اس کے علاوہ کیا چارہ کار رہ جائے گا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر الگ کردے، اگر سارا نظام خود ہی دیکھنا ہوگا، اندر بھی اور باہر بھی، تو ہمیشہ کی جدائی کیوں نہ اختیار کرلی جائے، تاکہ نکاح ثانی کر کے نئی زندگی شروع کی جاسکے۔

بے راہ روی

مسلم لڑکیوں کو غیر مسلم بنا کر شادی کرنے کرانے کی جو اسکیم آر ایس ایس کے یوتھ ونگ نے شروع کیا تھا، وہ اب بڑی تیزی سے کامیاب ہوتی نظر آرہی ہے، غیر مسلم نوجوان اپنے ساتھ پڑھنے والی اور پاس پڑوس میں رہنے والی لڑکیوں کو اپنی محبت کے جال میں پھنساتا ہے، اس پر روپے خرچ کرتا ہے، مارکیٹنگ کراتا ہے اور جب پوری طرح وہ ان لڑکوں کی گرفت میں آجاتی ہیں تو شادی کا ڈھونگ رچا کر ان کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے اور جب ان لڑکوں کی طبیعت بھر جاتی ہے تو انہیں خاموشی سے موت کی نیند سلا دیتے ہیں، یا گھر سے نکال دیتے ہیں، باخبر ذرائع بتاتے ہیں کہ اس کام کے لیے آر ایس ایس کی جانب سے باضابطہ فنڈنگ کی جاتی ہے اور آزاد طبیعت کی لڑکیاں روپے کی چکاچوند کے سہارے مذہب تبدیل کر رہی ہیں، حکومت بھی اس سوچ کی ہے اس لیے اس پر کون قدغن لگائے اور دارو گیر کرے۔

ان حالات میں ضروری ہے کہ گارجین حضرات اپنی لڑکیوں پر نگاہ رکھیں ان کی اسلامی تربیت کریں، کوشش کریں کہ موبائل کا استعمال کم سے کم کریں اور اس پر بھی نگاہ رکھی جائے کہ وہ کن لوگوں سے فون پر بات کر رہی ہیں، کہاں جا رہی ہیں، تعلیمی اداروں میں بھی مخلوط نظام تعلیم میں لڑکیوں کو نہ ڈالیں، ان کی شادی میں تاخیر نہ کریں، کیرکٹر بنانے کے چکر میں زندگی تباہ کرنا قطعاً دانشمندی نہیں ہے۔

یہ بڑے شرم کی بات ہے کہ ہماری بے توجہی سے ہماری لڑکیاں بے راہ روی کی شکار ہوجائیں، ہمارا حال یہ ہے کہ رات میں چھتوں پر لڑکیاں دیر تک موبائل میں مشغول رہتی ہیں، وہ کیا دیکھ رہی ہیں، کن سے بات کرتی ہیں، اس کی طرف ہماری نگاہ جاتی ہی نہیں، سہیلیوں سے ملنے اور مارکیٹنگ کے نام پر رات کے کسی بھی حصہ میں ان کا گھر سے باہر رہنا بے راہ روی کے امکانات کو بڑھا دیتا ہے، ہم اگر لڑکیوں کی تربیت کے معاملہ میں اور حساس رہیں تو بے راہ روی پر قابو پانا دشوار نہیں ہے۔

Scanned with CamScanner

یادوں کے چراغ　✍: مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

امیر شریعت اول: بدر الکاملین حضرت مولانا سید شاہ بدر الدین قادریؒ

غیر منقسم بہار کی امارت شرعیہ کے پہلے امیر شریعت، خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ کے سجادہ نشیں، لمعات بدریہ کے مصنف، ہزاروں تشنگان تصوف کے پیر ومرشد، تحریک خلافت کے عظیم قائد، بدر الکاملین حضرت مولانا سید شاہ بدر الدین قادری علیہ الرحمہ کا پچھتر سال کی عمر میں ۱۶؍صفر ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء کو سفر آخرت ہوا، باغ مجیبی نزد خانقاہ مجیبیہ میں تدفین عمل میں آئی، جو قبرستان خانقاہ مجیبیہ کے نام سے مشہور ومتعارف ہے، پس ماندگان میں چار لڑکے مولانا سید شاہ محی الدین قادری (امیر شریعت ثانی) مولانا سید شاہ قمر الدین (امیر شریعت ثالث) مولانا سید شاہ نظام الدین، مولانا حافظ شہاب الدین رحہم اللہ اور ایک اہلیہ کو چھوڑا، جنازہ کی نماز حضرت کے بڑے صاحبزادہ مولانا سید شاہ محی الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔

حضرت مولانا سید شاہ بدر الدین قادری بن حضرت مولانا سید شاہ شرف الدین قادریؒ کی ولادت ۲۷؍ جمادی الآخر ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۲ء خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کرنے کے بعد علوم متداولہ اور درسی کتابوں کی تدریس کی تکمیل اپنے پیرو مرشد اور خانقاہ مجیبیہ کے اس وقت کے سجادہ نشیں حضرت مولانا سید شاہ علی حبیب نصر قادری قدس سرہ سے کی، پھر ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۷ء میں آپ نے حرمین شریفین کا سفر کیا، اور حضرت مولانا آل احمد محدث مہاجر مدنی، حضرت شیخ عبد اللہ صالح سناری، سید محمد بن سید احمد رضوان، شیخ عبد الرحمن بن ابو خضیر مدنی، شیخ عبد الجلیل بن عبد السلام براده، شیخ محمد فالح ظاہری، شیخ عبد الحئی کتانی محدثین وشیوخ حرمین سے احادیث کی کتابوں کا درس لیا اور استفادہ کیا، اسی سفر میں حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رح نے سلسلہ چشتیہ صابریہ اور حزب البحر کی اجازت عطا فرمائی۔ اس سفر سے لوٹنے کے بعد ۱۳۰۹ھ میں آپ اپنے شیخ ومرشد وخسر محترم حضرت مولانا سید شاہ علی حبیب نصر قادری کے جانشیں کی حیثیت سے خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشیں ہوئے اور پوری زندگی لوگوں کو راہ راست پر لانے میں لگا دیا۔

آپ کی علمی وجاہت، ملک وقوم کے لیے آپ کی فکرمندی اور حلقہ اثر کی وسعت کو دیکھتے ہوئے ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء کو انگریزوں کی جانب سے شمس العلماء کا خطاب، تمغہ اور خلعت پیش کیا گیا، وقتی مصلحتوں کے پیش نظر آپ نے اس مسئلہ پر خاموشی اختیار کی؛ لیکن جب انگریزوں کی جانب سے اس کی نو آبادیات پر مظالم ہونے لگے تو آپ نے خطاب، تمغہ وغیرہ کو یکم اگست ۱۹۱۹ء مطابق ۱۳۳۸ھ کو واپس کر دیا اور کمشنر کو لکھا کہ اس کی واپسی سے آپ ان حالات پر بے انتہا رنج وغم کا اندازہ کر لیں، اس کے بعد آپ نے خلافت تحریک کو آگے بڑھانے میں نمایاں رول ادا کیا، خانقاہ کی سجادہ نشینی کے تقاضوں کی وجہ سے آپ کا سفر اس کام کے لیے ممکن نہیں تھا، اس لیے آپ نے اپنے بڑے صاحبزادہ مولانا سید شاہ محی الدین قادری قدس سرہ کو خلافت کے جلسوں کی صدارت تقریر اور عملی جدوجہد کے لیے مامور فرمایا اور تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے مؤثر راہنمائی فرماتے رہے۔

اسی زمانہ میں حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ نے امارت شرعیہ کا خاکہ تیار کیا، اکابر علماء، خانقاہ کے سجادہ نشینوں، دانشوروں اور مولانا ابو الکلام آزاد سے نجی ملاقات کرکے قیام امارت شرعیہ کے لیے راہ ہموار کی، معاملہ مولانا ابو الکلام آزاد کی رانچی نظر بندی کی وجہ سے ٹلتا رہا، ۱۹۲۰ء میں یہ نظر بندی ختم ہوئی، تو مولانا نے ۱۹؍ شوال ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۶؍ جون ۱۹۲۱ء کو محلہ پتھر کی مسجد پٹنہ میں اس سلسلے کی میٹنگ بلائی، مولانا ابو الکلام آزاد کی صدارت میں منعقد اس اجلاس میں مختلف مکتبہ فکر کے کم وبیش پانچ سو علماء و دانشور جمع ہوئے، امارت شرعیہ کے قیام کے فیصلے کے بعد مسئلہ امیر شریعت کے انتخاب کا تھا، قطب عالم حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ نے مولانا سید شاہ بدر الدین قادریؒ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اس منصب جلیلہ کو قبول کر لیں؛ چنانچہ حضرت مونگیری کے اصرار پر حضرت مولانا سید شاہ بدر الدین قادریؒ نے اس ذمہ داری کو قبول کیا اور پہلے امیر شریعت کی حیثیت سے کام شروع کیا، حضرت مولانا مونگیری نے لکھا ہے کہ ”یہ فقیر اپنے خاص محبین سے اتنا اور کہتا ہے کہ اس وقت جو امیر شریعت ہیں انہوں نے میرے ہی کہنے سے اس امارت کو قبول کیا ہے اب میں تمام محبین سے باصرار ومنت کہتا ہوں کہ اس میں کسی قسم کا اختلاف نہ کریں“

حضرت مونگیریؒ کی توجہ خاص، حضرت امیر شریعت اول کی ہدایات اور نائب امیر شریعت حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ کی عملی جد وجہد کے نتیجہ میں امارت شرعیہ نے عوام وخواص میں کم وقت میں مضبوط پکڑ بنالی، آپ بڑے متبحر عالم تھے، حدیث کی سند شیوخ حرمین سے حاصل کی تھی، آپ نے اپنے وقت میں خانقاہ میں درس قرآن، درس حدیث اور درس تصوف کا سلسلہ شروع کیا اور جاری رکھا، جس سے علمی میدان میں بھی خانقاہ کا فیض عام لوگوں تک پہونچا، خانقاہ مجیبیہ کے دار العلوم سے آج بھی اس کا فیضان جاری وساری ہے۔

امیر شریعت اول حضرت مولانا سید شاہ بدر الدین قادریؒ کو اللہ رب العزت نے تصنیف وتالیف کا بھی اچھا ملکہ عطا فرمایا تھا، لمعات بدریہ کے نام سے آپ کے رسائل ومکاتیب کا ضخیم مجموعہ موجود ہے، اس مجموعہ میں مکاتیب کے علاوہ مختلف موضوعات پر تحقیقی مضامین ہیں، چار جلدیں شائع ہو چکی ہیں، بقیہ ابھی مخطوطہ کی شکل میں محفوظ ہے، اس مجموعہ کے علاوہ بھی بعض رسائل کا پتہ چلتا ہے، جن میں رویت ہلال کے موضوع پر ایک رسالہ مطبوعہ ہے، جو انتہائی مدلل ہے۔

امیر شریعت کی حیثیت سے کام کرنے کے لیے ساتوں امیر شریعت میں آپ کو سب سے کم وقت ملا۔ لیکن اس کم وقت میں ہی آپ نے بانی امارت شرعیہ مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ، اپنے صاحبزادہ مولانا محی الدین قادریؒ اور دیگر رفقاء امارت شرعیہ کی مدد سے پورے بہار میں نظام امارت کو پھیلایا۔ دار القضا اور مکاتب کے نظام پر توجہ دی اور فکری طور پر امارت کے پیغام کو گاؤں گاؤں تک پہنچایا گیا جس سے اگلے امراء کے دور میں کام کو آگے بڑھانے میں مدد ملی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

کتابوں کی دنیا　✍: ایڈیٹر کے قلم سے

(تبصرہ کے لئے کتابوں کے دو نسخے آنے ضروری ہیں)

تصویر کشی فتاویٰ کی روشنی میں

مخدوم محترم عالی مرتبت حضرت مولانا عبد المنان صاحب قاسمی دامت برکاتہم خلیفہ مجاز محی السنہ حضرت مولانا ابرار الحق حقی رحمۃ اللہ علیہ ہردوئی کو اللہ رب العزت نے علمی رسوخ، فقہی بصیرت، انتظامی مہارت، اصلاح معاشرہ کی فکرمندی کی دولت سے مالا مال کیا ہے، جرات وبے باکی اس قدر ہے کہ منکرات پر نکیر بلا خوف لومۃ لائم کرتے ہیں، انہیں نہ مدح کی پرواہ ہے اور نہ قدح کا غم، شریعت کا حکم بلا کم وکاست پہونچانا، دینی تعلیم کو عام کرنا، سنت کی ترویج واشاعت اور لوگوں کی زندگیوں میں اسے داخل کرنا کرانا اور ملت کی اصلاح کی فکر ان کی زندگی کا مشن اور نصب العین ہے، ان کی پوری زندگی بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لانے کی جدوجہد سے عبارت ہے، اس اعتبار سے حضرت مولانا کی شخصیت اللہ رب العزت کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، ہمیں اس نعمت کی قدر کرنی چاہیے اور دیر تک صحت وعافیت کے ساتھ باقی رہنے کو اپنی دعاؤں کا حصہ بنالینا چاہیے۔

”تصویر کشی فتاویٰ کی روشنی میں“ حضرت مولانا کی بڑی مفید تالیف ہے، تصویر کشی، ویڈیو گرافی اور اس قبیل کے منکرات پر حضرت نے ایک استفتاء تیار کیا اور اسے ملک کے نامور مفتیان کرام اور اداروں سے متعلق معروف ومشہور دار الافتاء کو ارسال کیا، جن مفتیان کرام اور دار الافتاء سے جوابات موصول ہوئے، ان میں دار الافتاء امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ، وجھارکھنڈ، دار العلوم دیوبند، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات کے فتاوے شامل کتاب ہیں، مفتیان کرام نے شرح وبسط سے تحقیقی انداز میں اس مسئلے کو واشگاف کیا ہے اور بتایا ہے کہ تصویر کشی، ویڈیو گرافی وغیرہ حرام ہے، اس کی حرمت پر عرب وعجم کے علماء متفق ہیں، بہت مختصر تعداد ان علماء کی ہے جو ان منصوصات کی تاویل کرکے اسے جائز قرار دیتے ہیں جو اس باب میں احادیث میں مذکور ہیں، بعض لوگ ابتلاء عام کی وجہ سے اس میں گنجائش کی بات کرتے ہیں؛ حالانکہ منصوصات میں ابتلاء عام مؤثر نہیں ہوتا؛ کیوں کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سارے منکرات حلال ہو جائیں، حالاں کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

شروع کتاب میں تمہید کے عنوان سے حضرت مولانا محمد شعیب اللہ خاں صاحب جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور کا ایک مضمون شامل کتاب ہے؛ جو مختصر میں اس مسئلہ کے مالہ ماعلیہ اور حکم شرعی کی وضاحت کے لیے کافی وشافی ہے، مولانا موصوف نے تمہیدی سطور کے بعد حرمت تصویر اور جمہور امت کا مسلک، حرمت تصویر اور علماء ہند وپاک کے عنوانات سے بڑی مدلل گفتگو کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ علماء ہند وپاک میں کوئی تصویر کے جواز کا قائل نہیں ہے۔

پھر اس مسئلہ پر مخدوم محترم حضرت مولانا نے جو استفتاء روانہ کیا، اس کی نقل ہے، یہ استفتاء کئی محور پر مشتمل ہے، ان میں تصویر کشی، ٹی وی، ویڈیو گرافی، سی ڈی اور دینی جلسوں تک میں اسکرین کے استعمال، مسجد میں منعقد ہو رہے پروگرام کی موبائل اور دوسرے آلات سے ویڈیو گرافی، قریب البلوغ بچیوں کے ذریعہ مجمع عام کے سامنے تلاوت اور نعت خوانی، رت جگے جلسے اور ان جلسوں میں خواتین کی دور دراز سے شرکت اور اس قسم کے بہت سارے سوالات حضرت نے مفتیان کرام سے کیے ہیں، اور مفتیان کرام نے جو جوابات دیئے انہیں آگے کے صفحات میں نقل کیا ہے، کئی جگہوں پر "من المؤلف" کی سرخی لگا کر فتاویٰ میں درج احکام کی وضاحت اور تشریح کا کام بھی حضرت مولانا نے کیا ہے؛ جو قاری کو مقصود تک پہونچانے کے لیے مفید اور مؤثر ہے۔

اخیر میں حضرت مولانا نے تصویر کے بارے میں علماء عرب ومصر کا مؤقف تصویر کے باب میں اختلاف کی حیثیت، اختلاف سے فائدہ اٹھانے والوں کے لیے قابل غور بات، مسئلہ تصویر میں جمہور علماء کی شدت، پر سیر حاصل اور مدلل گفتگو کے ساتھ مجوزین کی ایک لچر دلیل کا جواب بھی دیا ہے۔

اس طرح میری رائے میں رسالہ ہر طرح مفید مدلل اور ایک بڑے منکر پر جس کے منکر ہونے کا احساس بھی لوگوں کے دلوں سے ختم ہو گیا ہے، حجت قاطعہ اور براہین واضحہ ہے؛ لیکن کیا کیجیے اب تو بزرگوں کی سوانح بھی مصور چھپ رہی ہے اور ڈاک ٹکٹ پر حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی تصویر چھپوا کر بھی ہم پھولے نہیں سما رہے ہیں؛

تصویر کے بارے میں حرمت کا مسئلہ واضح ہونے کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ ہم بے عملی کے شکار ہیں، جلسوں، منگنی شادی کی تقریبات میں جو تصویر کشی اور ویڈیو گرافی ہو رہی ہے، اس کی حرمت بہت واضح ہے ؛لیکن ایسی تقریبات میں خواہی نخواہی ہماری شرکت ہوتی ہے اور ہم منکرات کے حصہ بن جاتے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ قول وعمل کے اس تضاد کو حتی الامکان دور کرنے کی کوشش کی جائے ،ضرورت، حاجت اور بلا ضرورت کے فرق کو ملحوظ رکھا جائے۔ اللہ ہمیں بھی احتیاط واحتراز کی توفیق دے اور امت مسلمہ کو بھی۔

میں اس اہم کتاب کی تالیف پر مخدوم گرامی قدر کا شکر گذار ہوں، اس رسالہ کے قبول عام وتام اور حضرت کی صحت وعافیت کے ساتھ درازئ عمر کی دعا پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

Scanned with CamScanner

قسط پنجم

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور تحریک مدارس

حضرت مولانا محمد شمشاد رحمانی قاسمی نائب امیر شریعت امارت شرعیہ بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ

تحریک مدارس

تحریک مدارس اور خصوصاً تحریک دارالعلوم کی عظمت کا ادراک صحیح طور پر اس وقت ہوسکتا ہے جب ہم اس ماحول اور پس منظر پر نظر ڈالیں۔ ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی سے انقلاب ۱۸۵۷ء تک سو سال کی پے بہ پے شکست خوردگی اور برطانوی سامراج کے ظلم وجارحیت نے مسلمانوں کو اپنی لاچاری وبے بسی اور حرماں نصیبی پر خون کے آنسو بہانے پر مجبور کردیا تھا۔

''۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد انگریزی حکومت کی انتقامی کارروائیوں نے مسلمانوں میں وہ خوف وہراس پیدا کردیا کہ رؤسا، امراء، جاگیردار اور علماء اپنے گھروں میں بھی چین سے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ چن چن کر مسلمان رؤسا کو یا تو پھانسی پر چڑھا دیا گیا یا کالا پانی بھیج دیا گیا۔ یہی لوگ دینی علوم کے مدارس قائم کرتے تھے اور مسلم معاشرہ کو صراط مستقیم سے بھٹکنے نہیں دیتے تھے۔ اب وہ مدارس کھنڈر ہوگئے کیوں کہ اب ان کے اوقاف رہے نہ وہ لوگ رہے جو مدارس کے اخراجات پورے کرتے تھے۔''

دوسرے ۱۸۵۷ء کے پہلے ہی سے ایسٹ انڈیا کمپنی دہلی اور اس کے اطراف پر قابض ہوچکی تھی، اس لئے عیسائیت کی تبلیغ طاقت کے بل بوتے پر کی جاتی تھی۔ تمام سرکاری ملازمین کو یقین تھا کہ مستقبل میں ہر شخص کو بجبر واکراہ عیسائی بنادیا جائے گا۔ اس صورت حال نے مسلمانوں میں یہ خوف وہراس پیدا کردیا کہ حکومت کے ساتھ ساتھ اسلام بھی اس سرزمین سے رخصت ہوجائے گا۔ ساری صورت حال اس اندیشے کو تقویت پہنچاتی تھی۔ بس یہ وہ غم تھا جو حضرت نانوتویؒ کو کھائے جارہا تھا۔ مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

''یہ وہ زمانہ ہے جس میں ملک ہندوستان میں ایک ہنگامہ سخت برپا ہوا تھا، جس کو عوام الناس ''غدر'' کہتے ہیں۔ اکثر اکابر دین جنت الفردوس کو سدھارے اور بعض بعض جو پنجۂ ازل سے بچے اس ملک سے ہجرت فرما گئے۔ ہندوستان میں اسلام پر قریب قریب اسی طرح کا صدمہ عظیم واقع ہوا تھا، جیسے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف پر کل اسلام پر۔ مسلمانوں کی قلت، کفار کی کثرت، کفر کی شدت، بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب یہ دین نسیاً منسیا ہوجائے۔''

ذہنی اور تہذیبی قتل

مسلمانوں کے جسمانی قتل کے ساتھ ذہنی اور تہذیبی قتل کا منصوبہ جس انداز میں بنایا گیا تھا اس کا اندازہ برطانوی پارلیمنٹ کے ایک ممبر کی دارالعوام میں کی گئی اس تقریر سے ہوسکے گا:

''خداوند تعالی نے یہ دن دکھایا ہے کہ ہندوستان کی سلطنت انگلستان کے زیر نگیں ہے تاکہ عیسیٰ مسیح کا جھنڈا ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے۔ ہر شخص کو اپنی تمام تر قوت تمام ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف کرنا چاہئے اور اس میں کسی طرح کا تساہل نہیں کرنا چاہئے۔''

انگریز ماہر تعلیم لارڈ میکالے کا وہ جملہ تو معروف ہی ہے: ''ہم ہندوستان میں ایسے مشن اسکول قائم کررہے ہیں جس میں پڑھنے والے نسلاً تو ہندوستانی ہوں گے مگر مذاق اور رجحان کے اعتبار سے عیسائی ہوں گے۔''

لیکن لارڈ میکالے ۱۲/اکتوبر ۱۸۳۶ء کو جو خط ہندوستان سے لندن اپنی والدہ کے نام بھیجا تھا اس میں لکھا تھا کہ ''اگر میرے تعلیمی منصوبے پر پوری طرح عمل کیا گیا تو مجھے یقین ہے کہ زیادہ سے زیادہ تیس سال کے بعد یہاں ایک بھی بت پرست غیر عیسائی نہیں رہے گا۔

اس زمانہ میں عیسائیت کی تبلیغ زور وشور پر چل رہی تھی۔ ایک مورخ کا بیان ہے کہ ''دیسی پادریوں کے علاوہ جن کا کوئی شمار نہیں تو سو صرف ولایتی پادری تھے جو تندہی کے ساتھ تبلیغ عیسائیت میں مصروف تھے۔''

ایسے وقت میں ایک سوال تو یہ تھا کہ کس طرح مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کو قائم وبرقرار رکھنے کی سعی کی جائے لیکن اس سے بڑا سوال مسلمانوں کے دینی وتہذیبی سرمائے اور متاع ایمان ویقین کی حفاظت وپاسبانی کا تھا۔ حضرت نانوتویؒ نے دونوں سوالوں کو اپنے فکر وعمل کا موضوع بنایا، چنانچہ شاملی کا جہاد اسی پہلے سوال کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش تھی، لیکن آپ کو خدا کی جانب سے عطا کردہ فکر وبصیرت نے دوسرے پہلو کو اصل مرکز توجہ بنانے کی طرف راغب کیا۔

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں:

''حضرت نانوتویؒ کی عملی زندگی کے جس رخ کو دیکھئے وہ آفتاب وماہتاب کو چشمک زنی کرتا ہوا نظر آتا ہے، لیکن دارالعلوم دیوبند کی شکل میں جو کارنامہ ظاہر ہوا میں اسی کو حضرت نانوتویؒ کی زندگی کا نصب العین اور حاصل زندگی سمجھتا ہوں۔ وہ شاملی کے محاذ پر تلوار چلاتے ہوئے ہوں یا میلۂ خداشناسی میں عیسائیوں اور پادریوں سے مناظرہ کرتے ہوئے ہوں یا دیانند سرسوتی کے اعتراضات کے جواب میں تصنیف وتالیف میں مصروف ہوں۔ یہ سب حضرت نانوتویؒ کے کاروانِ زندگی کے خارزار وادیاں ہیں جن کو طے کرنا ان کے لئے حالات اور وقت کی مجبوری تھی، لیکن ان کی منزل اس سے کہیں آگے تھی، وہ منزل تھی برطانوی استعمار کی ظالمانہ وجابرانہ دور میں اسلام کا تحفظ وبقاء۔

حقیقت یہ ہے کہ احیائے سلطنت اسلامیہ کی جو جنگ شاملی کے میدان میں آپ نے اور آپ کے رفقاء نے ہاری تھی وہ جنگ زیادہ بھرپور اور وسیع طور پر آپ نے احیائے دین وملت کے میدان میں تاسیس دارالعلوم کے ذریعہ جیت لی۔

خلاصہ یہ کہ ہندوستان کے مسلمان کشمکش کی زندگی گزار رہے تھے، کسی مخصوص فیصلہ پر پہنچنا ان کے لئے سخت دشوار تھا، اس لئے کہ ایک طرف حکومت ختم ہوئی اور دوسری طرف مذہب پر مسلسل یلغار۔ بقول سرسید ''آنکھوں میں اندھیرا چھاتا چلا جاتا اور پاؤں تلے زمین نکلتی جاتی تھی'' مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ فرماتے ہیں: ''اسی تفکر واضطراب کے پیش نظر حضرت الامام الکبیر پر جذب کے کیفیات تھے۔'' سر کے بال بڑھ گئے تھے، نہ دھونا، نہ کنگھی، نہ تیل، نہ کترے، نہ درست کئے۔ باوجود خوش مزاجی اور ظرافت کے ترش رو اور مغموم رہتے تھے۔

یہ کیسے بال بکھرے ہیں یہ کیوں صورت بنی غم کی
تمہارے دشمنوں کو کیا پڑی تھی میرے ماتم کی

(بقیہ صفحہ ۱۴ پر)

صحابیاتؓ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حکایات اہل دل - حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابیات نے بھی بہت اعلی اور نمایاں مثالیں پیش کیں، ان کے سینے عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور تھے۔ اور ان کے پاکیزہ قلوب اس نعمت کے حصول پر مسرور تھے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

(۱) جنگ احد میں یہ خبر چاروں طرف پھیل گئی کہ نبی علیہ السلام شہید ہوگئے ہیں۔ مدینہ کی عورتیں شدت غم سے روتی ہوئی گھروں سے باہر نکل آئیں۔ ایک انصاریہ صحابیہؓ کہنے لگیں کہ میں اس بات کو اس وقت تک تسلیم نہیں کروں گی جب تک کہ خود اس کی تصدیق نہ کرلوں۔ چنانچہ وہ اونٹ پر سوار ہوکر احد کی طرف نکل پڑیں۔ جب میدان جنگ کے قریب پہنچیں تو ایک صحابی سامنے سے آتے ہوئے دکھائی دیے۔ ان سے پوچھنے لگیں ''مابال محمد؟'' (محمدؐ کا کیا حال ہے؟) انہوں نے کہا معلوم نہیں لیکن تمہارے بھائی کی لاش فلاں جگہ پڑی ہے وہ اس خبر کو سن کر ذرا بھی نہ گھبرائی اور آگے بڑھ کر دوسرے صحابی سے پوچھا ''مابال محمد؟'' (محمد کا کیا حال ہے؟) انہوں نے جواب دیا کہ معلوم نہیں مگر تمہارے والد کی لاش فلاں جگہ میں نے دیکھی ہے وہ یہ خبر سن کر بھی پریشان نہ ہوئی بلکہ آگے بڑھ کر تیسرے صحابی سے پوچھا ''مابال محمد؟'' (محمد کا کیا حال ہے؟) انہوں نے بتایا کہ میں نے تمہارے خاوند کی لاش فلاں جگہ پڑی دیکھی ہے۔ یہ خبر سن کر بھی وہ ٹس سے مس نہ ہوئی، پھر پوچھا کہ مجھے نبی علیہ السلام کی خیریت کے بارے میں بتاؤ۔ کسی نے کہا کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فلاں جگہ بخیریت دیکھا ہے یہ سنکر وہ تیزی سے اس طرف کو روانہ ہوئی۔ جب نبی علیہ السلام کو سامنے بخیریت دیکھا تو آپؐ کے قریب پہنچ کر چادر کا ایک کونہ پکڑ کر کہا ''کل مصیبة بعد محمد جلل'' (ہر مصیبت نبی علیہ السلام کے بعد آسان ہے) اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابیاتؓ کے قلوب میں جو محبت نبی علیہ السلام سے تھی وہ باپ، بھائی اور شوہر کی محبت سے بھی زیادہ تھی۔ یہی ایمان کامل کی نشانی بتائی گئی ہے۔ (سیرت ابن ہشام)

(۲) ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ وہ جہاد کی تیاری کریں۔ مدینہ کے ہر گھر میں جہاد کی تیاریاں زوروں پہ تھیں۔ ایک گھر میں ایک صحابیہ اپنے معصوم بچے کو گود میں لیے زار وقطار رو رہی تھی۔ اس کے خاوند پہلے کسی جہاد میں شہید ہوگئے تھے۔ اب گھر میں کوئی بھی ایسا مرد نہ تھا کہ جس کو یہ تیار کر کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ جہاد میں بھیجتیں۔ جب بہت دیر تک روتی رہیں اور طبیعت بھرائی اور اپنے معصوم بیٹے کو سینے سے لگا کر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اپنے بیٹے کو نبی علیہ السلام کی گود میں ڈال کر کہا اے اللہ کے رسولؐ میرے بیٹے کو بھی جہاد کے لیے قبول فرمائیں۔ نبی علیہ السلام نے حیران ہوکر فرمایا معصوم بچہ جہاد میں کیسے جاسکتا ہے۔ وہ رو کر کہنے لگیں کہ میرے گھر میں کوئی بڑا مرد نہیں کہ جس کو بھیج سکوں آپؐ اسی کو مجاہد کے حوالے کردیجئے جس کے ہاتھ میں ڈھال نہ ہو۔ تاکہ جب وہ مجاہد کفار کے سامنے مقابلے کے لیے جائے اور کافر تیروں کی بارش برسائیں تو وہ مجاہد تیروں سے بچنے کے لیے میرے بیٹے کو آگے کردے۔ میرا بیٹا تیروں کو روکنے کے کام آسکتا ہے۔ سبحان اللہ! تاریخ انسانیت ایسی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہے کہ عورت اور ماں جیسی شفیق ہستی فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنکر اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے اتنی بے قرار ہوئی کہ معصوم بچے کو شہادت کے لیے پیش کردیتی ہے۔

(۳) سیدہ عائشہؓ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ مجھے نبی علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کرادیں۔ سیدہ عائشہؓ نے حجرہ مبارکہ کھولا۔ وہ صحابیہ عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس قدر مغلوب تھیں کہ زیارت کر کے روتی رہیں اور روتے روتے انتقال فرمائیں۔ (شفاء شریف)

(۴) ام المومنین ام حبیبہؓ کے والد ابوسفیان صلح حدیبیہ کے زمانے میں اپنی بیٹی سے ملنے مدینہ گئے۔ قریب پڑے بستر پر بیٹھنے لگے تو ام حبیبہؓ نے جلدی سے بستر الٹ دیا ابوسفیان نے پوچھا بیٹی مہمان کے آنے پر بستر بچھاتے ہیں بستر لپیٹتے تو نہیں۔ ام حبیبہؓ نے کہا ابا جان یہ بستر اللہ تعالی کے پیارے اور پاک محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور آپ مشرک ہونے کی وجہ سے ناپاک ہیں لہذا اس بستر پر نہیں بیٹھ سکتے۔ ابوسفیان کو اس کا بڑا رنج ہوا مگر ام حبیبہؓ کے دل میں جو محبت اور عظمت اللہ کے رسولؐ کی تھی اس کے سامنے جسمانی رشتے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ قربان جائیں ان کے پیارے عمل پر کہ فیصلہ کرلیا کہ باپ چھوٹتا ہے تو چھوٹ جائے مگر محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

(۵) ایک صحابی حضرت ربیعہ اسلمیؓ نہایت غریب نوجوان تھے۔ ایک مرتبہ تذکرہ چلا کہ انہیں کوئی اپنی بیٹی کا رشتہ دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ نبی علیہ السلام نے انصار کے ایک قبیلے کی نشاندہی کی کہ ان کے پاس جاکر رشتہ مانگو۔ وہ گئے اور بتایا کہ میں نبی علیہ السلام کے مشورے سے حاضر ہوا ہوں تاکہ میرا نکاح فلاں لڑکی سے کردیا جائے۔ باپ نے کہا بہت اچھا ہم لڑکی سے معلوم کرلیں جب پوچھا تو وہ لڑکی کہنے لگی ابو جان یہ مت دیکھو کہ آیا کون ہے بلکہ یہ دیکھو کہ بھیجنے والا کون ہے۔ چنانچہ فوراً نکاح کردیا گیا۔

(۶) فاطمہ بنت قیس ایک حسین وجمیل صحابیہ تھیں، ان کے لئے حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ جیسے دولت مند صحابی کا رشتہ آیا۔ جب انہوں نے نبی علیہ السلام سے مشورہ کیا تو آپؐ نے فرمایا اسامہ سے نکاح کرلو۔ حضرت فاطمہؓ نے آپ کو اپنی قسمت کا مالک بنادیا اور عرض کی اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا معاملہ آپ کے اختیار میں ہے، جس سے چاہیں نکاح کردیں۔ یعنی میرے لئے یہی خوشی کافی ہے کہ آپ کے ہاتھوں سے میرا نکاح ہوگا۔ (نسائی شریف، کتاب النکاح)

Scanned with CamScanner

طلاق دینے سے گریز کیجئے

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

اسلامی شریعت میں طلاق سے مراد وہ علیحدگی ہے جس کے ذریعہ مرد نکاح کے رشتے کو ختم کر کے اپنے حقوق زوجیت سے دست بردار ہو جاتا ہے۔ بے شک عقد نکاح کے ذریعہ عورت اور مرد کے رشتہ کا قائم ہونا اور ان کا میاں بیوی بن کر رہنا ایک بڑی نعمت ہے، طلاق کے ذریعہ یہ رشتہ ٹوٹ جاتا ہے، رشتے کا ٹوٹنا تکلیف دہ ہے اور نکاح کی نعمت کا چلا جانا ہے، اس لئے اپنی اصل کے اعتبار سے طلاق پسندیدہ نہیں ہے۔

لیکن اگر نکاح کا رشتہ اپنا مقصد کھو چکا ہے زوجین میں ہم آہنگی نہیں ہے اور پوری کوشش کے باوجود اب اس رشتہ کا قائم رہنا مشکل ہو گیا ہے اور ڈر ہے کہ اس سے بہت سی دوسری خرابیاں پیدا ہوں گی، اللہ کی حدیں ٹوٹیں گی تو پھر اس رشتے کا ٹوٹ جانا ہی مناسب ہے۔

اس لئے اسلامی شریعت نے جہاں نکاح کو بہت آسان بنانے کی کوشش کی ہے اور اس کو سادگی کے ساتھ کرنے پر زور دیا ہے تا کہ وہ جانبین کے لئے پریشانی کا باعث نہ بنے اس نے طلاق کو بھی مسئلے کا حل قرار دیا ہے۔ اس لئے ایسی صورت میں جب نباہ ہونے کی کوئی شکل نہ رہے تو طلاق مسئلہ نہیں ہے بلکہ مسئلے کا حل ہے، اس لئے شریعت نے طلاق پر ایسی قانونی پابندیوں کو پسند نہیں کیا ہے جس میں میاں بیوی جکڑے رہنے پر مجبور ہیں اور ان کے لئے یکجا ہو کر زندگی گذارنا دو بھر ہو جائے۔

حسن معاشرت کی تعلیم

معاشرت کو بہتر بنانے کیلئے اسلامی شریعت نے بہت سی تدبیریں بتائی ہیں مثلاً یہ کہ:

۱۔ عورت قصوروار ہے تو اس کو سمجھانے کی کوشش کی جائے۔
۲۔ خواب گاہ میں اس کو اکیلا چھوڑ دیا جائے۔
۳۔ ہلکی سی تنبیہ کی بھی اجازت ہے۔
۴۔ دونوں کی طرف سے ایک ایک ثالث کو لے کر باہمی تعلقات بہتر بنائے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

حسن معاشرت کے لئے ان تدبیروں کے باوجود اگر کوئی صورت نظر نہ آئے تو پھر اس کا آخری عمل اس کے سوا کوئی نہیں رہتا کہ ”چلو ایک بار پھر سے اجنبی بن جائیں ہم دونوں“

گھر کا معاملہ گھر میں طے ہو

قانون شریعت کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ طلاق کا معاملہ عدالت میں جائے؛ بلکہ وہ اس کو پسند کرتی ہے کہ ساتھ رہنے اور الگ رہنے کا فیصلہ گھر کے گھر میں ہی ہو جائے اور گھر کی بات باہر نہ نکلے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر معاملہ عدالت میں جائے گا تو فریقین ایک دوسرے پر الزام تراشیاں کریں گے، ایک دوسرے کے عیوب اور کمزوریاں گنائیں گے، ایک دوسرے کی کردارکشی کریں گے، چھپے ہوئے عیوب باہر آئیں گے اور آئندہ چل کر ان لوگوں کی دوسری شادیاں بھی مشکل ہو جائیں گی۔

ہوسکتا ہے کہ ایک مرد کی نظر میں ایک عورت اچھی نہ ہو لیکن دوسرے مرد کیلئے وہ بہت اچھی ہو۔ اسی طرح ایک عورت کی نظر میں ایک مرد اچھا نہ ہو لیکن دوسری عورت کی نظر میں وہ بہت اچھا ہو۔ شریعت نہیں چاہتی کہ کسی کے کردار کا دامن داغدار ہو اور ان کے مستقبل کو تاریک بنادے، اس لئے مرد وعورت پر اپنے اپنے احساسات کا جائزہ لیں اور اپنے عمل کا محاسبہ کریں بے جا طور پر طلاق کا استعمال نہ کریں اور جہاں تک ہو سکے اس رشتہ کو نبھانے کی کوشش کریں، اگر نباہ نہیں ہو سکتا تو شریفانہ طریقے پر الگ ہو جائیں۔

یہی وہ چیز ہے کہ جس کے لئے قرآن مجید نے ”متاعا بالمعروف“ کے الفاظ استعمال کئے ہیں یعنی طلاق کی صورت میں مرد علاوہ ان واجبات کے جو مہر اور عدت کے خرچ وغیرہ کی صورت میں مرد پر لازم ہوتا ہے، کوئی تحفہ متاع کی شکل میں عورت کو پیش کرے تا کہ طلاق اور علیحدگی کے باوجود تلخیاں نہ ابھریں۔

اصل بات یہ ہے کہ شریعت کی نظر میں قائم شدہ رشتوں کا توڑنا کوئی اچھی بات نہیں ہے؛ لیکن یہ دو بیلوں کی کوئی ایسی جوڑی بھی نہیں ہے، جن کی زندگی کی راہیں خواہ کتنی بھی مخالف مختلف ہوں پھر بھی ایک دوسرے سے بندھی رہیں، کھینچتی رہیں اور دونوں کی زندگی موت سے بدتر ہو جائے، حالات کا کوئی موڑ ایسا ہوتا ہے کہ رشتہ توڑنا ہی بہتر نظر آتا ہے اس لئے طلاق کی اجازت ہے مگر شریعت یہ بھی چاہتی ہے کہ یہ طلاق مستقل طور پر دو افراد دو خاندانوں اور دو گھرانوں میں رنجش کا باعث نہ بنے، اس لئے عورت کی دلداری کے لئے وہ مرد سے کچھ نہ کچھ عورت کو دلوانا چاہتی ہے ”متاع“ کے نام سے کوئی چیز دینا مستحب اور بہتر قرار دیا ہے۔

طلاق ایک کڑوا گھونٹ ضرور ہے، مگر کبھی بڑے نقصان سے بچنے کیلئے چھوٹے نقصان کو برداشت کرنا پڑتا ہے اور صحت کیلئے کڑوا گھونٹ بھی حلق سے اتارنا پڑتا ہے، ”گر شفا خواہی دوائے تلخ بنوش“ صحت وشفاء کیلئے کڑوی دوا بھی کبھی ضروری ہو جاتی ہے۔

طلاق کا صحیح اور سب سے بہتر طریقہ

طلاق ایک ایسا قدم ہے جو نہایت مجبوری میں اور خوب سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہئے۔ جذبات میں اور غصہ میں آ کر جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے، بلکہ جب حالات اس موڑ پر آ جائیں کہ طلاق کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو پورے ہوش وحواس میں اس کا فیصلہ کرے اور اس کا لحاظ رکھے کہ جب طلاق دینی ہو تو بیوی پاکی کی حالت میں ہو یعنی اس کو ماہواری نہ آ رہی ہو اور اس پاکی کے درمیان دونوں کا جنسی تعلق بھی قائم نہ ہوا ہو۔ تو صاف اور واضح لفظوں میں کم از کم دو گواہوں کی موجودگی میں ایک طلاق دیدی جائے طلاق کا یہ طریقہ سب سے بہتر ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ اس طلاق کو تحریر میں لایا جائے تا کہ کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ رہے یہ ایک طلاق رجعی ہے اس کا حکم یہ ہے کہ طلاق واقع ہوگئی مگر عورت کی عدت پوری ہونے سے پہلے مرد کو عورت کی رضامندی کے بغیر لوٹانے کا اختیار ہے لیکن جب عدت پوری ہوگئی تو مرد کا اختیار ختم ہو گیا، اب اگر مرد اور عورت دونوں چاہیں تو پھر سے نکاح کر کے میاں بیوی بن سکتے ہیں۔

عدت کا مطلب بھی سمجھ لیں شریعت کی اصطلاح میں عدت کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کے بعد تھوڑی مدت تک عورت کسی مرد سے نکاح نہیں کرسکتی۔ اس مدت کے گذارنے کو عدت کہتے ہیں۔

عدت کئی قسم کی ہوتی ہے اگر عورت کو ماہواری آتی ہو اور مرد اور عورت تنہائی میں مل چکے ہوں تو طلاق کے بعد کی عورت کی عدت تین ماہواری کا آنا ہے جب پورے تین حیض ختم ہو گئے تو عدت پوری ہو گئی۔

اور اگر کسی وجہ سے ماہواری نہیں آتی خواہ بیماری کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے تو اس کی عدت تین مہینے ہے۔

اور اگر عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت بچہ پیدا ہونے تک ہے جب بچہ پیدا ہو گیا تو عدت پوری ہوگئی۔

طلاق دینے کا یہ طریقہ سب سے بہتر طریقہ ہے کیونکہ اس میں عدت کے دوران سوچنے سمجھنے کا موقع مل جاتا ہے۔ عدت کی مدت بھی بے غبار رہتی ہے۔ عدت پوری ہونے پر یہ رجعی طلاق خود بخود بائن ہو جائے گی یعنی مرد اپنے طور پر عورت کے لوٹانے کا اختیار نہیں رہے گا۔

طلاق کا دوسرا طریقہ

طلاق کا دوسرا طریقہ جو پہلے طریقہ کے مقابلے میں کم بہتر ہے وہ یہ ہے کہ جس عورت کو ماہواری آتی ہو اس کو پاکی کی حالت میں، وہ پاکی جس میں جنسی تعلق قائم نہ ہوا ہو ہر مہینے ایک ایک طلاق دے، مثلاً پہلے طہر میں ایک طلاق، دوسرے طہر میں دوسری طلاق اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق اور کسی وجہ سے ماہواری نہ آ رہی ہو، تو ہر مہینے ایک ایک کر کے طلاق دے۔ طلاق دینے کا یہ طریقہ حسن تو نہیں ہے مگر حسن ہے یعنی پہلے طریقہ کے مقابلے میں کم بہتر ہے۔ مقصد تو یہ ہے کہ اول تو طلاق نہ ہونا ہی بہتر ہے اور اگر حالات کی مجبوری کی وجہ سے طلاق ہو تو گنجائش رہے، ہو سکتا ہے کہ طلاق کے بعد دونوں کو ٹھنڈے دماغ سے سوچنے کا موقع ملے اور انہیں احساس ہو کہ جو قدم ہم نے اٹھایا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے تو واپسی کی گنجائش رہے۔ طلاق کا وہ طریقہ جس کو شریعت ناپسند کرتی ہے

طلاق کا وہ طریقہ جس میں طلاق تو ہو جاتی ہے مگر شریعت اس کو ناپسند کرتی ہے، یہ ہے کہ:

حالت حیض (ایام ماہواری کے زمانے) میں طلاق دے

یا عورت کو اس طہر اور پاکی کی حالت میں طلاق دے جس میں جنسی تعلق قائم ہو چکا ہو۔

یا تین طلاقیں دے، جس میں مغلظ طلاق واقع ہو جاتی ہے اور دونوں ہمیشہ کیلئے یکجائی سے محروم ہو جاتے ہیں، اپنے اختیار کا یہ بے جا استعمال ہے طلاق اگرچہ واقع ہو گئی مگر شریعت اس کو پسند نہیں کرتی۔

خلع

مال یا سامان (بدل) دے کر شوہر رشتہ نکاح کو ختم کرے تو اس کو خلع یا مبارات کہتے ہیں۔ عورت اگر طلاق کا مطالبہ کرے اور شوہر طلاق دینے پر راضی ہو جائے تو شرعاً یہ معاملہ بھی قابل تسلیم ہے۔ عدالت سے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن اگر عورت کے مطالبے پر شوہر طلاق دینے پر راضی نہ ہو اور عورت اس معاملے کو اسلامی عدالت میں لے جائے اور عدالت اگر یہ دیکھے کہ ان دونوں میں یکجائی ممکن نہیں ہے اور علیحدگی نہ ہونے کی صورت میں حدوداللہ کے ٹوٹنے کا خطرہ ہے تو وہ شوہر کو خلع پر آمادہ کر سکتی ہے یا اسلامی عدالت قانونی کارروائی کی تکمیل کے بعد نکاح فسخ کر سکتی ہے، یعنی اس نکاح کو توڑ سکتی ہے خلع ایک طلاق بائن کے حکم میں ہوتا ہے اور فریقین اگر چاہیں تو دوبارہ اپنی مرضی سے نکاح کر سکتے ہیں۔

عورت کو طلاق کا اختیار کیوں نہیں؟

جس طرح مرد کو براہ راست اور بلاواسطہ طلاق دینے اور رشتہ نکاح کے ختم کر دینے کا اختیار ہے اسی طرح یہ اختیار عورت کو کیوں نہیں ہے؟ شریعت اسلامیہ جو عدل وانصاف پر مبنی ہے اس میں مرد اور عورت کے اختیارات میں یہ امتیاز کیوں ہے؟

دنیا کے تمام اداروں میں یہ طریقہ ہے کہ اس ادارے کا ایک ذمہ دار ہوتا ہے اور باقی لوگ اس ادارے کے کارکن ہوتے ہیں جس کو ادارے کا ذمہ دار بنایا جاتا ہے، اس کی ذمہ داری کچھ زیادہ ہوتی ہے اور اس ذمہ داری کی وجہ سے اس کو کچھ اختیارات بھی دیئے جاتے ہیں اور اس بات کو کوئی بھی عدل وانصاف کے خلاف نہیں سمجھتا۔

بس اسی طریقہ پر نکاح بھی ایک ادارہ ہے اور مرد اس ادارے کا ذمہ دار اور قوام ہے۔ مرد کی ذمہ داری بھی زیادہ ہے اور تھوڑا سا اس کا اختیار بھی کچھ زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ نظام پورے طور پر عادلانہ اور منصفانہ ہے اور عین فطرت کے مطابق ہے۔ انسان کے علاوہ دوسری مخلوقات میں بھی نر مادہ مذکر مؤنث کا فرق پایا جاتا ہے اور نر اپنی خاص صلاحیتوں کی وجہ سے کچھ فوقیت بھی رکھتا ہے بس یہی معاملہ انسانوں میں بھی ہے۔ انسانوں میں افسر بھی ہیں ماتحت بھی ہیں، کوئی نہیں کہتا کہ یہ بات انصاف کے خلاف ہے بلکہ عین انصاف کا تقاضہ یہی ہے اس کے بغیر کوئی نظام چل ہی نہیں سکتا۔

یہ بھولنا نہیں چاہئے کہ دنیا کی عدالت سے اوپر ایک اور بڑی عدالت بھی ہے اور ہمیں اپنے ہر قول وفعل کیلئے اپنے رب کے سامنے جوابدہ ہونا ہے، زیادتی کدھر سے ہوئی ہے مرد نے ستم ڈھائے ہیں یا عورت کا رویہ غلط رہا ہے قیامت کے دن اس کا فیصلہ ہوگا، لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ بلاوجہ کی طلاق اتنا بڑا جرم ہے کہ اس حرکت سے عرش الٰہی لرز جاتا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

Scanned with CamScanner

جنگ آزادی میں مسلمانوں کا کردار

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی، حیدرآباد

ہمارے اسلاف اور آباء واجداد نے ہندوستان کی عظمت رفتہ کی بحالی اور اپنے خون وپسینے سے سے سینچے ہوئے چمن کی آبیاری اور سفید فام قوم کو اپنے ملک ووطن سے بیدخل کرنے کے لیے خون کے آخری قطرے تک جو نذرانہ پیش کیا، دوسروں قوموں نے شاید پوری جنگ آزادی میں اتنا پسینہ بہایا ہو، ۱۸۵۷ء کے بعد نصف صدی تک انگریزی سامراج کو شکست دینے کے لیے مسلمان صرف جنگِ آزادی کے میدان میں زور آزمائی کرتے رہے، ایسا کیوں نہ ہوتا؟ جس ملک کے نوک وپلک کو سنوارنے اور سجانے اور اور اس کو خوش رنگ اور خوبرو بنانے بنانے میں ہم نے ہی دس صدیوں پر مشتمل دورِ حکمرانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، اس کی عظمت پر بٹہ لگے اور اس پر کوئی دوسری قوم دوسرے ملک سے آکر قابض ہوجائے اور اس پر حکمرانی کرے، اس کو مسلمان کیوں کر برداشت کرسکتے تھے؟ آج بھی ہندوستان کے چپے چپے میں بلند وبالا، فلک بوس، فن تعمیر کی عظیم شاہکار عمارتیں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی یاد دلارہی ہیں، اس چمن کا ذرہ ذرہ اور گوشہ گوشہ زبان حال سے اس ملک کے وقار کو بلند کرنے میں اور یہاں کی مٹی کو سونا بنانے میں مسلمانوں کے کردار کا بین اور واضح ثبوت پیش کررہا ہے، ملک کے گوشہ گوشہ اور چپے چپے میں ہر جگہ اسلامی طرز تعمیر کی شاہکار عمارت ضرور ایسی ملے گی جو مسلمانوں کی طویل اور عظیم حکمرانی کی یاد دہانی کراتی ہے؛ لیکن آج صورتحال یہ ہے کہ مسلمانوں اور خصوصا علمائے دین نے ہندوستان کی آزادی میں جو کردار ادا کیا اس کو پسِ پشت ڈالا جارہا ہے، سوائے چند مسلمان رہنماؤں کے جنگ آزادی عظیم مسلمانوں سورماؤں کا نام تک لینا گوارا نہیں کیا جاتا اور یہ ان کا تذکرہ نہ کیا جانا اس لیے نہیں ہے کہ موجودہ سیاسی قائدین کو اس کا علم نہیں ہے؛ بلکہ سبھی جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے اس ملک کی آزادی میں بالکل ناقابل فراموش کردار رہا ہے، اس کے تذکرے کے بغیر تاریخ آزادیٔ ہند کی تاریخ تشنہ اور ناتمام ہی رہے گی؛ لیکن یہ باور کرانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ یہ ملک مسلمانوں کا نہیں؛ بلکہ یہاں کے حقیقی باسی تو صرف ہندو قوم ہے، شاید انہوں نے ہندوستان میں اسلام کی آمد کی تاریخ کو بھلا دیا ہے، یا اس سے تجاہل عارفانہ برت رہے ہیں، اسلام کی آمد کے بعد اس ملک کے باشندوں نے مسلمانوں کی مذہبی اور اخلاقی تعلیمات سے متاثر ہوکر برضا ورغبت بغیر کسی جبر واکراہ کے دامنِ اسلام میں پناہ لی ہے، یہاں کے مسلمان خود یہی کے باسی ہیں، جنہوں نے انگریز کو یہاں سے بھگانے اور اس ملک سے بے دخل کرنے کے لیے ایک صدی پر مشتمل طویل جدوجہد کی ہے، بہر حال یہ مسلمان حکمرانوں ہی کی ناعاقبت اندیشی تھی کہ انہوں نے انگریزوں کو بغرض تجارت یہاں قدم جمانے کا موقع دیا، جو آہستہ آہستہ اس ملک پر قابض اور حکمراں ہوگئے، لیکن مسلمانوں نے ان کی اس ملک میں بے جا مداخلت کو ہرگز برداشت نہیں کیا، اور انہوں نے انگریزوں کے خلاف ہر طرف سے جہاد کے محاذ کھول دیئے، اور خصوصا علماء نے عوام کے درمیان آزادی کی جدوجہد کے لیے ہوش جگایا اور مختلف تحریکوں اور دوبدو مقابلہ کے ذریعہ انگریزوں کو پسپا کرنے کی پوری کوشش کی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے لے کر حضرت مولانا حسین احمد مدنی تک ایک طویل تاریخ ہے جس میں علمائے ہند کے زیر نگرانی جدوجہد آزادی کے پروانوں نے بے دریغ اپنی جانوں کی قربانی پیش کی۔

جس میں آزادیٔ ہند کا صف اول کا سپہ سالار شہید وطن شیر ہند شیر میسور حضرت ٹیپو سلطانؒ شہید ہیں، جن کے ذکر کے بغیر آزادیٔ ہند کی تاریخ نامکمل رہتی ہے، جنہوں نے ہندوستان میں انگریزوں کا جینا حرام کردیا تھا، وہ نڈر سلطان وسپہ سالار تھے، جنہوں نے گیڈر کی سوسالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی کو ترجیح دی، جن کی پیدائش ۱۷۵۰ء میں ہوئی جن کی تربیت ان کے والد بزرگوار حضرت حیدر علیؒ کے زیر سایہ ہوئی، جنگی فنون جنگ کی مشق ان کے استاذ رفیق حیدر علیؒ سالار غازی بابا شہیدؒ نے کی، جن کی ساری زندگی انگریز حکومت کے خلاف نبرد آزما رہی، ٹیپو سلطانؒ شہید نے بھی اپنے والد حیدر علیؒ اور استاذ غازی بابا شہیدؒ کی طرح ساری زندگی آزادیٔ ہند کے خاطر قربان کی، جنہوں نے کئی معرکوں میں انگریزوں کو شکست فاش دی، انگریزوں کے پاؤں ہندوستان سے اکھڑنے لگے، ان حالات میں ان ہی کے نمک خوار غدار اور دغاباز نکلے جنہوں نے انگریزی حکومت سے ملی جلی شازش رچی جس کے خاطر سلطان شہید ۱۷۹۹ء میں آخر دم تک انگریزوں سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا، وہ آزادیٔ ہند کے صف اول کے شہید تھے، جن کے خون کو ہندوستان کی زمین کبھی فراموش نہیں کرسکتی، جو سرزمین ہند کے لعل وگوہر تھے۔

اسی طرح سے بہت سارے علماء کرام ومسلمانانِ نے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں، پھانسیوں پر چڑھائے گئے، تختۂ دار کو سینے سے لگایا، مسلمانوں کو جلاوطن کیا گیا، حبسِ دوام بعبور دریائے شور جو پھانسی کی سزا سے زیادہ اذیت رساں تھی، کالے پانی بھیجنے کا مطلب یہ تھا کہ مجرم اپنے وطن، اپنے گھر، اپنے دوست واحباب، عزیز واقارب، اپنے خاندان اور بیوی بچوں کے لیے زندہ رہتے ہوئے بھی مرجاتا تھا اور ایسے گھٹ گھٹ کر زندگی گذارنے پر مجبور ہوتا تھا کہ موت کو اس زندگی پر ترجیح دینے لگتا تھا، ہندوستان کے مشاہیر علماء ومشائخ، رؤسا وامراء جن کی راہوں میں عوام آنکھیں بچھاتے تھے، جن کے اعزاز واحترام کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں میں ان کو سر اور آنکھوں پر بٹھایا جاتا تھا، خوش حال گھرانوں کے افراد جن کی خدمت کے لیے نوکر دست بستہ کھڑے رہتے تھے، ایسے معزز رؤساء علماء ومشائخ کو جزیرۂ انڈومان، کالے پانی کی مسموم فضا میں بھیجا جاتا، جہاں ان سے ذلیل کام لیا جاتا، یہ جزائر جدوجہد آزادی کے پروانوں کے بڑے بڑے قید خانہ تھے، جس میں چہار دیواریاں اور فصیلیں تو نہیں تھیں؛ لیکن چاروں طرف حدِ نگاہ تک سمندر لہریں مارتا تھا، ان جزیروں میں ان معزز شخصیتوں سے لکڑیاں کٹوائی جاتی تھیں، سڑکیں بنوائی جاتی تھیں، نالیاں اور گندگیاں صاف کرائی جاتی تھیں، کوڑے کرکٹ کی ٹوکریاں ان کے سروں پر لاد کر پھنکوائی جاتی تھیں، مولانا فضل حق خیرآبادی جو علمی دنیا میں بے تاج کے بادشاہ تسلیم کئے جاتے تھے؛ لیکن جب ایک شخص جزیرہ انڈومان میں ان کی ملاقات کے لیے پہنچا تو دیکھا کہ علامہ غلاظت کی ٹوکری اٹھائے ہوئے پھینکنے کے لیے جارہی ہیں، جزائرہ انڈومان میں تمام مسلمان قیدیوں سے اسی طرح کے جبری کام لیے جاتے تھے، انگریزوں نے کتنے مسلمان مجاہدین آزادی کو جزیرہ انڈومان بھیجا اور کالے پانی کی سزا دی، ان کی فہرست بتانی مشکل ہے، مگر تاریخ کے جستہ جستہ واقعات کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی تعداد چار ہزار سے کسی طرح کم نہیں تھی (تحریک آزادی اور مسلمان: ۳۶)

ان مسلمان مجاہدین آزادی کے لیے جزیرۂ انڈومان کے حبس دوام کی سزا سے بڑھ کر یہ دردناک عذاب یہ تھا کہ جوان مجاہدین آزادی کو بھگتنا پڑا جوان کی لاکھوں لاکھ کی جائدادوں کو مفت کے دام ہی حکومت نے نیلام کرکے ان کے معصوم بچوں، پردہ نشیں، عفت مآب خواتین کو نانِ شبیہ کا محتاج بنادیا، یہ تصور ہی مجاہدین آزادی کے لیے بڑا روح فرسا تھا، انہوں نے اپنی پھانسی کا حکم سن کر مسکرا دیا تھا، لیکن ان کی آل واولاد کو دردر بھیک مانگنے پر مجبور کردینا خون کے آنسو رلا گیا جیسا کہ عظیم آباد کے امیر کبیر مولانا احمد اللہ صاحب کے ساتھ ہوا کہ ان کی ساری جائیداد پر انگریزی حکومت نے قبضہ کرکے ان کے خاندان کے ایک ایک فرد کو عین عید کے دن گھر سے اس حال میں نکال باہر کیا کہ اکی سوئی بھی اٹھانے کی اجازت نہیں دی (تحریک آزادی اور مسلمان: ۹۳)

بہر حال ۱۹۰۰ء تا ۱۹۱۷ء تک جن مسلمان علماء نے خصوصا عوام کے ہمراہ جدوجہد آزادی میں حصہ لیا، اور اس کے خاطر کئی دفعہ جیل کی صعوبتیں برداشت کیں، ان کے ناموں کی فہرست طویل ہے، مولانا محمد جعفر تھانیسری، مولانا فضل حق خیرآبادی، حاجی امداد اللہ، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مفتی کفایت اللہ، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا سعید احمد دہلوی، عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا عبد الحلیم صدیقی، مولانا شاہ عبد الرحیم رائپوری، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا محمد علی جوہر مولانا شوکت علی، مولانا محمد میاں، اور مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر ذاکر حسین وغیرہ کی کے نام سرفہرست ہیں۔

بیسوی صدی کے آغاز سے سیاسی بیداری شروع ہوئی، تعلیم یافتہ طبقہ میں غلامی کی ذلت اور آزادی کی قدر وقیمت کا احساس ہوا، اس میں ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی سکھ بھی اور بعض دوسری اقلیتیں بھی؛ لیکن غدر ۱۸۵۷ء کے بعد سے پچاس پچپن سال بعد تک وہ سرفروشانہ جذبہ عام نہ ہوا تھا کہ انسان انجام سے بے نیاز ہوکر اس کانٹوں بھر وادی میں قدم رکھ دے؛ کیوں کہ اس دور میں آزادی کا لفظ زبان سے نکالنے کا مطلب یہ تھا کہ انگریزی مظالم کی اذیتوں سے انسانوں کو خون اگل اگل کر مرنا پڑے گا، پھانسی پر چڑھادینا، صف میں کھڑا کرکے گولی ماردینا تو برطانوی حکومت کے یہاں معمولی سزائیں تھیں وہ اس سے زیادہ دردناک اور اذیت ناک سزاؤں پر یقین رکھتے تھے، ان سزاؤں کو بھگتنے کے لیے ابھی برادران وطن میں جرأت وہمت نہیں پیدا ہوئی تھی، وہ ابھی انگریزی تعلیم حاصل کرکے برطانوی حکومت میں معزز عہدوں کی تلاش میں سرگرداں تھے، وفاداریوں کا سرٹیفکٹ لے رہے تھے، البتہ برادران وطن میں سے چند سرپھرے نوجوان ضرور ایسے تھے جنہوں نے جنہوں نے انگریزوں پر قاتلانہ حملہ کرکے ان سے اپنی نفرت اور بغض کا اظہار ضرور کردیا تھا؛ لیکن ایسے نوجوانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی، برادران وطن کا عام طبقہ ابھی مصائب کے اس سمندر میں چھلانگ لگانے کے لیے ساحل پر ہی کھڑا سوچ رہا تھا؛ لیکن مسلمان اس قدر مصلحت اندیش اور عواقب پر نظر رکھ کر اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کی قوت برداشت اپنے اندر نہیں پاتا تھا بمصداق: بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۱۵ء تک جنگ آزادی کے میدان میں صرف مسلمان ہی صف آرا تھے، البتہ دستوری جنگ کے نقشے ضرور بنائے جانے لگے تھے، کانگریس پر ترقی پسندوں کا قبضہ شروع ہوچکا تھا، کمیونسٹ پارٹی کے چند جیالے نوجوان بھی میدان میں آرہے تھے، لیکن ابھی تک آزادی حاصل کرنے کا کوئی واضح راستہ دریافت نہیں ہوسکا تھا کہ کھلے بند کوئی ایسی تنظیم بنائے جائے کہ اس کے پلیٹ فارم سے حکومت کی زیادتیوں پر برملا حرف گیری کی جاسکے، جلسے جلوس اور احتجاجی مظاہرے اور دھرنے اور بھوک ہڑتال اس طرح کے طریقے تو بعد میں دریافت ہوئے، لیکن ان کے موجد بھی مسلمان ہی تھے (تحریک آزادی اور مسلمان: ۱۶۹)

۱۹۱۹ء میں جب حکومت نے "قانون تحفظ ہند" کے نام سے ایک مستقل قانون بنایا، اس قانون کے تحت آزادی اور حریت کے خواہاں جیالوں کے خلاف کے خلاف سخت قوانین اور احکامات جاری کئے گئے جیسے نظر بند کرنا، اخبار نویسی، پرچے اور پمفلٹ کی تقسیم اور جلسے جلسوں میں شرکت پر پابندی، مشتبہ شخص وقتا فوقتا اپنی موجودگی کی رپورٹ پولیس کو دیتا رہے، گرفتاری، خانہ تلاشی، بطور تعزیر کے حراست، اس قسم کے ظالمانہ قوانین کو برداشت کرنا ہندوستانیوں کے بس میں نہیں تھا، زبان بندی کا حکم پہلے سے نافذ تھا، اب ہر طرح کی پابندی، نہایت غور وفکر کے بعد ہندوستان کی دو عظیم شخصیتوں نے ملک کو ایک نئے طریقۂ جنگ سے واقف کرایا جسے عقل نے تو تسلیم نہیں، ان دو شخصیتوں میں سے ایک گاندھی جی تھے اور دوسری شخصیت مولانا ابوالکلام آزاد کی تھی، اس طریقۂ جنگ کا نام "ستیہ گرہ" رکھا گیا (سچائی کا عہد) یعنی ہم ان ظالمانہ قوانین کو قبول نہیں کریں گے، چاہے پولیس کی لاٹھیاں برسیں یا ان کی گولیاں ہمارے سینوں کو چھلنی کردیں، جس کا ہر شخص نے حتی الامکان عہد لینے کی کوشش کی، اب جنگ آزادی کا نیا دور آچکا تھا، سیاسی بیداری عام ہوچکی تھی، اعلی تعلیم یافتہ طبقہ سے لے کر عوام تک سیاسی مسائل پر پوری بصیرت اور بڑے جوش سے بحثیں کرنے لگا تھا، حکومت کے ایوانوں میں بیٹھ کر ہندوستان کے گلے میں غلامی کا پھندا کسنے والے ہاتھ عوامی جوش وخروش اور ان کے تیز وتند نعروں سے تھرا گئے، سیاست محلوں اور بنگلوں سے نکل کر جھوپڑوں اور گلیوں اور سڑکوں پر آنے کے لیے تیار کھڑی تھی، ظلم وجوار کا مقابلہ اب تلواروں کے بجائے نہتے عوام کو کرنا تھا، تنی ہوئی رائفلوں کے سامنے سے نہتے عوام کو گذرنا تھا؛ لیکن اس وقت بھی گنے چنے برادران وطن کے علاوہ اس تحریک کا ساتھ دینے والے اکثر مسلمان ہی تھے۔ (تحریک آزادی اور مسلمان: ۱۶۹)

جس سال جلیانوالہ باغ میں جنرل ڈائر کی وحشت وبربریت نے نہتے جلسے میں شرکت کرنے والے عوام کے خون سے ہولی کھیلی تو اسی سال یعنی ۱۹۱۹ء میں مسلمانوں نے خلافت کمیٹی قائم کی اور اسے اپنے جذبات کے اظہار کے لیے فارم بنایا، یہ تحریک طوفان کی طرح ابھری اور آندھی کی طرح بڑھی اور سیلاب کی طرح پھیلی، اس کے رہنما بجلی کی طرح کڑکے اور رعد کی طرح گرجے، اس کی وجہ سے پورے ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک انگریزی حکومت کے خلاف نفرت وحقارت اور غم وغصہ کی ایک تیز لہر چل پڑی، اس تحریک کو دو عظیم المرتبت اور قد آور رہنما مل گئے، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، سیاسی تاریخ میں یہ دونوں علی برادران کے نام سے مشہور ہیں، ان کی قیادت نے مسلمانوں کے دلوں میں آتش سیال بھردی، ان کی قومی، ملی غیرت وحمیت کی رگوں میں گرم خون دوڑنے لگا جو ۱۸۵۷ء کے بعد ہونے والے مظالم اور کربناک سزاؤں کی وجہ سے رگوں میں منجمد ہوگیا تھا، خلافت کا مسئلہ خاص مسلمانوں کا ذاتی مسئلہ تھا، لیکن اس کے دوررس اثرات کی وجہ سے گاندھی جی نے بھی اس کی تائید کی اور اس طرح ہندو مسلم اتحاد کا مظہر ہندوستانیوں کو دیکھنے کو ملا۔ (بقیہ صفحہ ۱۴ پر)

Scanned with CamScanner

محمد عادل فریدی

اخبار جہاں

سعودی عرب کا بیرونی مسلمانوں کے لیے عمرہ کی اجازت دینے کا فیصلہ

سعودی عرب حکومت نے رواں سال ملک سے باہر کے ایسے مسلمانوں کو عمرہ کی اجازت دینے کا فیصلہ کیا ہے جو ویکسین حاصل کر چکے ہیں۔سرکاری العربیہ ٹی وی کی رپورٹ کے مطابق سعودی حکومت نے یکم محرم ۱۴۴۳ھ مطابق ۱۰/اگست ۲۰۲۱ء سے بیرون سعودی عرب کے معتمرین کے لیے عمرہ کی اجازت دے دی ہے۔قومی کمیٹی برائے حج وعمرہ کے رکن ھانی علی العمیری نے بتایا ہے کہ عمرہ کے خواہشمند افراد دنیا بھر میں قریب چھ ہزار ایجنسیوں اور ۳۰/آن لائن پلیٹ فارمز کے ذریعے بکنگ کرواسکیں گے۔عمرہ کے لیے ویکسین کی شرط لازم ہوگی اور تمام مقامات پر حفاظتی تدابیر کو یقینی بنایا جائے گا۔رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ سعودی وزارت حج اور عمرہ کے منظور شدہ اور بااعتماد پورٹلز کے ساتھ بی ٹو بی اور بی ٹو سی آن لائن بکنگ، رہائش اور سفری سہولیات کی بکنگ کرائی جاسکے گی۔حج سیزن ختم ہونے کے بعد مکہ شہر کے مقدس مقامات پر عازمین عمرہ پہنچنا شروع ہو چکے ہیں۔العربیہ کے مطابق غیر ملکی معتمرین کے استقبال اور مسجد الحرام میں نماز کی ادائیگی کا شیڈول ترتیب دینے کے لیے ۵۰۰/عمرہ کمپنیاں معتمرین کے خیر مقدم کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔صحت کے وزیر توفیق الربیعہ کا کہنا ہے کہ حج کے دوران ایک بھی کووڈ۔19 کا نیا کیس سامنے نہیں آیا تھا۔رواں سال صرف سعودی عرب میں مقیم ویکسین حاصل کر چکے عازمین کو ہی حج کی سعادت مل سکی۔حج کے دوران سماجی فاصلے کی ہدایات کی پیروی بھی لازم تھی۔اس دوران ٹیکنالوجی کا استعمال بھی عام رہا۔اسمارٹ فون ایپ، الیکٹرک گاڑیوں اور روبوٹ کے ذریعے یقینی بنایا گیا کہ حج کے اجتماع میں وائرس نہ پھیل سکے۔خیال رہے کہ گذشتہ سال دس ہزار سعودی مسلمانوں کو حج ادا کرنے کی اجازت دی گئی تھی، جبکہ رواں سال عازمین حج کی تعداد بڑھ کر قریب ساٹھ ہزار رہی۔ان میں سعودی عرب میں موجود غیر ملکیوں کو بھی شامل کرلیا گیا تھا۔(بحوالہ بی بی سی لندن)

تیونس کے وزیر اعظم برطرف، پارلیمنٹ معطل

تیونس کے صدر نے وزیر اعظم کو برطرف اور پارلیمنٹ کو معطل کر دیا ہے۔جس کے بعد ملک میں سیاسی بحران شدت اختیار کر گیا ہے۔ملک کے بڑے شہروں میں صدر کے اقدام کی حمایت میں شہری سڑکوں پر نکل آئے تاہم مخالفین اسے بغاوت کا نام دے رہے ہیں۔صدر قیس سعید نے کہا ہے کہ وہ نئے وزیر اعظم کی مدد سے اعلیٰ اختیارات سنبھالیں گے۔اس پیش رفت کو تیونس میں ۲۰۱۱ء کے عرب اسپرنگ سے موسوم انقلاب کے بعد جمہوری نظام کے لیے سب سے بڑا چیلنج سمجھا جا رہا ہے۔صدر کی جانب سے وزیر اعظم ہشام مشیشی کو ان کے عہدے سے ہٹانے کے بعد شہری دارالحکومت اور دیگر شہروں کی سڑکوں پر امڈ آئے۔وہ نعرے لگا رہے تھے اور گاڑیوں کے ہارن بجا رہے تھے۔صدر سعید کے ایک کمزور حکومت اور منقسم پارلیمنٹ کے خلاف اقدام کے لیے کتنی حمایت پائی جاتی ہے؟ یہ ابھی واضح نہیں ہے۔صدر نے کسی بھی طرح کے پرتشدد ردِعمل کے خلاف متنبہ کیا ہے۔(وائس آف امریکہ)

ترکی ۲۰۲۳ء سے گیس کی پیداوار شروع کرسکتا ہے: اردوگان

ترک صدر رجب طیب اردوگان نے کہا ہے کہ ترکی ۲۰۲۳ء سے بحیرہ اسود خطے میں قدرتی گیس کی پیداوار شروع کرسکتا ہے۔مسٹر اردوگان نے کہا کہ بحیرہ اسود میں گیس کی پیداوار کا پہلا مرحلہ ۲۰۲۳ء سے شروع کرنے کے لئے وسیع پیمانے پر کوششیں کی جارہی ہیں۔انہوں نے کہا کہ سیاست اور معیشت کے لحاظ سے خطے کے سب سے طاقتور ملک ترکی سے دوستی کرنے والے ممالک ہمیشہ فائدے میں رہیں گے۔(یو این آئی)

ترکی کے جنگل میں شدید آتشزدگی، ۳/ہلاک، ۱۸۰/زخمی

ترکی میں اناطولیہ صوبے کے ماونگٹ علاقے میں جنگل میں شدید آگ لگنے سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد جمعرات کو بڑھ کر تین ہوگئی، اس کے علاوہ ایک سو اسی سے زائد افراد جھلس گئے ہیں۔یہ آگ سخت گرمی کی وجہ سے لگی تھی۔(یو این آئی)

تعلیم و روزگار

میڈیکل اور ڈینٹل کورسز میں پسماندہ طبقات کے لیے ریزرویشن کا اعلان

آل انڈیا ریزرویشن اسکیم کے تحت موجودہ تعلیمی سیشن ۲۰۲۱۔۲۲ء سے انڈر گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ میڈیکل اور ڈینٹل کورسز (ایم بی بی ایس، ایم ڈی، ایم ایس، ڈپلومہ، بی ڈی ایس اور ایم ڈی ایس) میں دیگر پسماندہ طبقات (او بی سی) کیلئے ۲۷/فیصد اور معاشی طور پر کمزور طبقات (ای ڈبلیو ایس) کے لئے ۱۰/فیصد ریزرویشن کا اعلان کیا۔اس فیصلے سے ایم بی بی ایس میں تقریبا ۱۵۰۰/او بی سی طلبہ اور پوسٹ گریجویشن میں ۲۵۰۰/او بی سی طلبہ کو فائدہ ہوگا اسی طرح معاشی طور پر کمزور طبقات کے ایم بی بی ایس میں ۵۵۰/اور پوسٹ گریجویشن میں تقریبا ایک ہزار طلبہ کو فائدہ ہوگا۔نئی قومی تعلیمی پالیسی ۲۰۲۰ء کے ایک سال مکمل ہونے پر اپنے ٹوئٹ میں ایک اور اعلان کرتے ہوئے وزیر اعظم نریندر مودی نے کہا کہ" مجھے خوشی ہے کہ آٹھ ریاستوں کے ۱۴/انجینئرنگ کالجوں میں انگریزی کے علاوہ پانچ ہندوستانی زبانوں؛ ہندی، تمل، تیلگو، مراٹھی اور بنگلہ میں انجینئرنگ کی پڑھائی شروع ہونے جارہی ہے، اس کے علاوہ انجینئرنگ کے کورس کو ملک کی گیارہ زبانوں میں ترجمہ کرنے کے لیے ایک ٹول بھی تیار کیا جارہا ہے۔

سی بی ایس ای کا بڑا فیصلہ ۹۵/فیصد سے زیادہ نمبر نہیں دے پائیں گے اسکول

تعلیمی سال ۲۰۲۰۔۲۱ء کے لیے دسویں اور بارہویں کے نتائج جاری ہونے سے ٹھیک پہلے سینٹرل بورڈ آف سکینڈری ایجوکیشن (سی بی ایس ای) نے ایک بڑا فیصلہ کیا ہے، بورڈ نے کہا ہے کہ سنٹرل بورڈ آف سکینڈری ایجوکیشن کے تحت چلنے والا کوئی بھی اسکول من مانی طریقے سے دسویں اور بارہویں جماعت کے طلبہ کو ۹۵/فیصد سے زیادہ نمبر نہیں دیگا۔اگر کوئی اسکول بورڈ کے اس اصول پر عمل نہیں کرتا ہے، تو بورڈ خود ہی اس طرح کے طلبہ کے نمبر کم کردے گا۔سی بی ایس ای کی نئی ہدایات کے مطابق بورڈ نے اسکولوں کی من مانی کو روکنے کے لئے یہ فیصلہ لیا ہے۔سی بی ایس ای بورڈ نے کہا ہے کہ ریفرنس سال میں جن طلبہ کے نمبرات ۹۵/فیصد سے زیادہ تھے اس سال بھی اتنے ہی طلبہ کو اتنے نمبر مل سکتے ہیں۔یعنی اگر ریفرنس سال میں چار طلبہ نے ۹۵/فیصد سے زیادہ نمبر پائے ہیں تو اس سال بھی اسکول صرف چار طلبہ کو ہی یہ نمبر دے سکتا ہے۔واضح ہو کہ ۲۰۲۰۔۲۱ء سیشن کے لئے گزشتہ تین سالوں ۲۰۱۷۔۱۸ء، ۲۰۱۸۔۱۹ء اور ۲۰۱۹۔۲۰ء کو ریفرنس سال مانا جائے گا۔بورڈ کے ذریعہ ریفرنس سال کا قاعدہ صرف ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹/اور ۱۰۰/نمبر دینے پر ہی لاگو ہوگا۔اس کا ۹۵/فیصد سے کم نمبر پانے والے طلبہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔(بحوالہ نیوز۔۱۸)

انجینئر/ٹیکنیکل آڈیٹر کے عہدوں کے لئے درخواست مطلوب

رائٹس لمیٹڈ (Rites Limited) نے معاہدے کی بنیاد پر انجینئر/ٹیکنیکل آڈیٹر کی مختلف آسامیوں کے لیے درخواستیں طلب کی ہیں۔درخواست کا عمل جاری ہے اور آن لائن درخواست جمع کرانے کی آخری تاریخ ۳/اگست ۲۰۲۱ء ہے۔خواہش مند امیدوار رائٹس لمیٹڈ کی سرکاری ویب سائٹ پر نوٹیفکیشن چیک کر کے درخواست دے سکتے ہیں۔تقرری مکمل طور پر معاہدے کی بنیاد پر ابتدائی طور پر تین سال کی مدت کے لئے ہوگی، جو اسائنمنٹ کی تکمیل تک باہمی رضامندی اور اطمینان بخش کارکردگی سے مشروط ہوگی۔یہ بھرتی مہم انجینئر/ٹیکنیکل آڈیٹر (کیمیکل/ٹیکسٹائل/فوڈ/کیمسٹری/مائکروبیولوجی) کی ۸/آسامیاں پُر کرنے کے لئے کی جارہی ہے۔یہاں ۸/خالی آسامیوں میں سے ۵/آسامیاں غیر محفوظ شدہ زمرہ کے عہدے کے لئے ہیں، ۲/آسامیاں او بی سی (این سی ایل) اور ایک ایس سی امیدوار کے لئے ہیں۔یکم جولائی ۲۰۲۱ء تک مذکورہ بالا عہدے کے لئے زیادہ سے زیادہ عمر ۴۰/سال ہے۔امیدوار کل وقتی بی ٹیک/بی ای ہونا چاہئے۔کیمیکل انجینئرنگ/ٹیکسٹائل ٹکنالوجی میں یا فوڈ/کیمسٹری/مائکروبیولوجی میں ایم ایس سی۔امیدواروں کو معائنہ/صنعت میں کم سے کم 2 سال کا پوسٹ قابلیت متعلقہ تجربہ ہونا چاہئے۔

اعلان داخلہ

امارت شرعیہ کے درج ذیل اداروں میں داخلہ کے لئے حسب ذیل نمبرات پر رابطہ کریں۔

دربھنگہ

امارت مجیبیہ ٹیکنیکل انسٹی چیوٹ (ITI) مہدولی دربھنگہ

(۱) الیکٹریشین (Electrician) (۲) فٹر (Fitter) (۳) ڈرافٹس مین سول (D.M. Civil) (۴) سروئیر (SURVEYOR)

رابطہ نمبر

9471929848,7091852460,06272220017

پورنیہ

امارت ٹیکنیکل انسٹی چیوٹ مظفر نگر، گلاب باغ پورنیہ

(۱) انسٹرومنٹ میکانک (Instrument Mechanic)
(۲) الیکٹریشین (۳) الیکٹرونک میکانک (۴) فٹر

رابطہ نمبر

9471629577,8340554732

راورکیلا اڈیشہ

امارت عمر ٹیکنیکل ٹریننگ سنٹر بسرا راورکیلا

(۱) الیکٹریشین (۲) فٹر (۳) ویلڈر (Welder)

رابطہ نمبر

9337644048,9938790818,7504534974

پٹنہ

امارت انسٹی ٹیوٹ آف کمپیوٹر اینڈ الیکٹرونکس

امارت شرعیہ کیمپس پھلواری شریف پٹنہ

(۱) بیچلر آف کمپیوٹر اپلی کیشن (BCA) (۲) بیچلر آف بزنس ایڈمنسٹریشن (BBA) (۳) بیچلر آف لائبریری سائنس (BLIS) (۴) بیچلر آف جرنلزم اینڈ ماس کمیونکیشن (BJMC) (۵) ڈپلوما ان آپریٹنگ لینگویج (DOL)

رابطہ نمبر

9431838323,9304109387,7003160520

پٹنہ

مولانا منت اللہ رحمانی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ (پارامیڈیکل)

امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ

(۱) ڈپلوما ان میڈیکل لیبوریٹری ٹیکنالوجی (DMLT)

رابطہ نمبر

8873771070,7250222587,9334338123

پٹنہ

مولانا منت اللہ رحمانی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ (ITI)

ایف سی آئی روڈ، پھلواری شریف، پٹنہ

(۱) الکٹرونکس (۲) فٹر (۳) ڈرافٹس مین سول (۴) پلمبر (ایک سال)

رابطہ نمبر

8298678082,8825126782,9304924575

7979724968

پٹنہ

ڈاکٹر عثمان غنی امارت گرلس کمپیوٹر انسٹی چیوٹ (صرف لڑکیوں کے لئے)

ہارون نگر سیکٹر۔۲، نزد پھلواری شریف ریلوے اسٹیشن، پٹنہ

(۱) بیچلر آف کمپیوٹر اپلی کیشن (BCA) (۲) بیچلر آف بزنس ایڈمنسٹریشن (BBA) (۳) بیچلر آف لائبریری سائنس (BLIS) (۴) بیچلر آف جرنلزم اینڈ ماس کمیونکیشن (BJMC) (۵) ڈپلوما ان آپریٹنگ لینگویج (DOL)

رابطہ نمبر

9386133611,7563028644,8210878017

نوٹ: واضح ہو کہ امارت انسٹی ٹیوٹ آف کمپیوٹر اینڈ الیکٹرونکس اور ڈاکٹر عثمان غنی امارت گرلس کمپیوٹر انسٹی ٹیوٹ مولانا مظہر الحق عربی وفارسی یونیورسٹی پٹنہ سے ملحق ہے، جبکہ پارامیڈیکل کا ڈپلوما کورس محکمہ صحت حکومت بہار سے منظور شدہ ہے اور آئی ٹی آئی کے تمام کورسوں کی منظوری نیشنل کاؤنسل آف ووکیشنل ٹریننگ (NCVT) سے حاصل ہے۔

سہیل احمد ندوی

سکریٹری جنرل امارت شرعیہ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ

Scanned with CamScanner

ملی سرگرمیاں

مولانا مفتی محمد سہراب ندوی

امارت شرعیہ بزرگوں کی امانت، اس کا استحکام میرا منصبی فریضہ ہے: نائب امیر شریعت

آٹھویں امیر شریعت کے انتخاب کے لیے ۸/اگست کی تاریخ ملتوی

امارت شرعیہ بزرگوں کی امانت اور ملت کا صد سالہ سرمایہ ہے، اس کا استحکام اس کی وحدت اور اس کی عظمت و وقار کا خیال میرا منصبی فریضہ ہے، اس کی تعمیر وترقی اور فروغ و وسعت کی راہیں تلاش کرنا میری ذمہ داری ہے، جس سے کسی حال میں مفر نہیں، اپنی ساری توانائی اور صلاحیتیں صرف کر کے آگے بڑھانا میرا اولین اور مقدم عزم اور منصوبہ ہے، ان خیالات کا اظہار امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کے نائب امیر شریعت حضرت مولانا محمد شمشاد صاحب رحمانی قاسمی مدظلہ استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند نے اپنے ایک بیان میں کیا، انہوں نے فرمایا امارت شرعیہ سے منسلک ریاستوں کے مسلمانوں کے علمی، شرعی، تعلیمی اور معاشی مسائل کے حل کی طرف باہم مل جل کر بڑھنا وقت کا تقاضہ ہے، اور امارت شرعیہ کے تمام کارکنان، اراکین، اور مخلصین ومحبین کو ساتھ لیکر سماجی وملی منصوبوں کی تکمیل میری اولین ذمہ داری ہوگی۔

امارت شرعیہ کے ساتویں امیر شریعت مفکر اسلام حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میرے کندھوں پر جو ذمہ داری دی ہے، میں ان ذمہ داریوں کو حتی الوسع پوری یکسوئی اور اخلاص کے ساتھ انجام دینا لازم سمجھتا ہوں، ان کے وصال کے بعد آٹھویں امیر شریعت کا انتخاب اب تک ہو جانا تھا لیکن لاک ڈاؤن کی وجہ سے مجلس شوریٰ کی اجازت کے بعد اب تک یہ عمل انجام نہیں پا سکا، انتخاب امیر کے لیے ۸/اگست ۲۰۲۱ء کی تاریخ باہم مشورہ سے طے کر دی گئی تھی اور اس سمت میں اقدام بھی شروع ہو گئے تھے، لیکن بعض علاقوں مثلاً اڈیشہ، رانچی وغیرہ میں اتوار کو بھی لاک ڈاؤن رہنے اور کچھ ارکان شوریٰ وعاملہ کی طرف سے آنے والے مشورے کی وجہ سے اب یہ تاریخ ملتوی کی جاتی ہے، ان شاء اللہ آئندہ حالات کو نظر میں رکھتے ہوئے حسب دستور انتخاب امیر کی کارروائی عمل میں لائی جائے گی، میں امارت شرعیہ کے جملہ کارکنان، ذمہ داران، متوسلین ومحبین سے گذارش کرتا ہوں کہ امارت کے جملہ کاموں کو باہمی اتحاد اور مضبوط عزم وحوصلہ کے ساتھ آگے بڑھائیں اور تمام امور کی حسب سابق انجام دہی میں مشغول ہو جائیں، دینی مکاتب کے قیام، اردو کے فروغ کی تحریک اور نئے دارالقضاء کے قیام سمیت عصری تعلیمی اداروں کے قیام پر توجہ دیں، اضلاع وبلاک کی سطح پر جو کمیٹیاں تشکیل دی گئی تھیں اسے متحرک وفعال بنائیں، جہاں کمیٹیاں نہیں بنی ہیں وہاں کمیٹیاں بنائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی اور مددگار ہو اور ہمیں اخلاص عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

لنچنگ کے مقتول محمد انور اور صنوبر خاتون کے اہل خانہ کو امارت شرعیہ نے دیا پچاس پچاس ہزار کا چیک

سمستی پور (پریس ریلیز): امارت شرعیہ بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ کے نائب امیر شریعت حضرت مولانا محمد شمشاد رحمانی قاسمی جن کی سربراہی میں اس وقت امارت شرعیہ کے تمام شعبے پوری مستعدی کے ساتھ سرگرم عمل ہیں۔ ان کی ہدایت پر قائم مقام ناظم جناب مولانا محمد شبلی القاسمی صاحب نے آدھار پور ضلع سمستی پور میں ۱۲/جون کو پیش آئے سانحہ کی ایک ۹/رکنی وفد بھیج کر جائزہ کرایا۔ وفد کی جائزہ رپورٹ پیش ہونے کے بعد محترم نائب امیر شریعت صاحب نے لنچنگ کے مقتول محمد انور کی بیوہ وبچوں اور صنوبر خاتون کی بچیوں کے لئے پچاس پچاس ہزار روپے کی مالی مدد کی منظوری دی۔ چنانچہ مورخہ ۱۶/جولائی جمعہ کو نائب ناظم امارت شرعیہ مفتی محمد سہراب ندوی صاحب کی قیادت میں ضلع مظفر پور و سمستی پور کی اہم شخصیات کے ایک وفد نے آدھار پور وبھروکھرا پہنچ کر محمد انور کی بیوہ اور صنوبر خاتون کی بچیوں کو پچاس پچاس ہزار کا چیک حوالہ کیا۔ انور کی بیوہ کا چیک انور کے خسر کے توسط سے دیا گیا جبکہ صنوبر خاتون کی بڑی بچی نصرت پروین نے خود چیک وصول کیا۔ اس موقع پر جناب نائب ناظم مفتی محمد سہراب ندوی صاحب نے اظہار خیال کرتے ہوئے یہاں پیش آئے سانحہ پر گہرے غم کا اظہار کیا اور کہا کہ اس وقت سماج کو سب سے زیادہ ضرورت محبت اور بھائی چارگی کی ہے۔ نفرت اور عداوت سے سماج کا بھلا نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے ہر مذہب اور طبقہ کے لوگوں سے اپیل کی کہ ہر موقع پر تحمل سے کام لیں اور بھائی چارگی کے ماحول کو ہرگز ہرگز بگڑنے نہ دیں۔ انہوں نے متاثرین کو صبر کرنے کے ساتھ نماز کی پابندی اور اللہ کے طرف رجوع رکھنے کی تلقین کی۔ امارت شرعیہ جس کی طرف سے یہ مالی مدد پیش کی گئی ہے اس کا تعارف کراتے ہوئے نائب ناظم صاحب نے کہا کہ یہ ایک دینی ملی اور فلاحی تنظیم ہے۔ جس کا ایک اہم شعبہ دکھ کی گھڑی میں انسانیت کی مدد ہے۔ آج کی یہ مالی مدد اسی خدمت کا ایک حصہ ہے۔ موصوف نے لنچنگ کے اس سانحہ کے سلسلہ میں حکومت کو بھی متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ ہجومی تشدد ایک بدنما داغ ہے جس پر حکومت کو فوری توجہ دیتے ہوئے ایسا قانون بنانا چاہئے جس سے اس طرح کی غیر انسانی حرکت پر پابندی لگ سکے۔ انہوں نے کہا کہ اس سانحہ میں جو لوگ بھی مجرم ہیں ان کو ہر حال میں سخت سے سخت سزا ملنی چاہئے اور جلد از جلد قانون کو اپنا کام کرنا چاہئے۔ لنچنگ کے ذریعے قتل کا جو معاوضہ حکومت کی جانب سے طے ہے وہ مقتول کے اہل خانہ کو فوری طور پر دیا جائے۔ صنوبر خاتون جو ایک سرکاری معلمہ تھیں ان کی جگہ پر ان کی بچی کو جو سند یافتہ ہے انہیں سرکاری ملازمت دی جائے اور خوف وہراس کی وجہ سے جو لوگ اپنے گھروں کو گھر کو چھوڑ چکے ہیں ان کی واپسی اور ان کے تحفظ کو یقینی بنائے۔ آج کے اس وفد میں تنظیم امارت شرعیہ مظفر پور کے ضلع صدر جناب محمد شعیب صاحب، قاضی شریعت سمستی پور مولانا صدام حسین قاسمی صاحب، نائب صدر مظفر پور جناب ماسٹر شاہ عالم صاحب، جوائنٹ سکریٹری حافظ صبغت اللہ رحمانی صاحب، محمد اظہار صاحب، انجینئر محمد وسیم شعیب صاحب، مدرسہ اسلامیہ شاہ پور بگھونی کے استاد قاری محمد انوار قاسمی صاحب کے علاوہ مقامی ذمہ داران میں راشٹریہ جنتا دل کے ریاستی جنرل سکریٹری فیض رحمٰن فیض صاحب، ابولیث آزاد صاحب۔ مظہر حسین صاحب، قربان صاحب وغیرہ شامل تھے۔ مقامی حضرات نے امارت شرعیہ کی طرف سے متاثرین کی بروقت مدد پر امارت شرعیہ کے ذمہ داروں کا بڑے الفاظ میں شکریہ ادا کیا۔ اور کہا یہ امارت شرعیہ کا اقدام دوسروں کیلئے اہم سبق ہے۔

ایک دوسرے کی خوبیوں کا اعتراف کیجئے

شمائلہ حسین

ہمارے انفرادی رویے، جب ایک دوسرے کا رنگ پکڑ لیں تو مجموعی مزاج کا حصہ بن جاتے ہیں۔ جیسا کہ جھوٹ بولنا، رشوت لینا اور دینا، کام چوری، ملاوٹ کرنا اور قانون شکنی کرنا جیسی اخلاقی اور سماجی خرابیاں؛ رفتہ رفتہ ہمارے معاشرے کی پہچان بن چکی ہیں۔

ایسے ہی ایک اور رویہ بھی نہ جانے کب سے اور کہاں سے شروع ہوا اور اب اس حد تک جڑیں پکڑ چکا ہے کہ ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا اور ہم اس کا اظہار کر جاتے ہیں، وہ رویہ کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ کسی کی خود پر برتری یا فضیلت کو کسی صورت قبول نہ کرنا۔

قصہ تو یہ گھر کی سطح سے شروع ہوتا ہے مثلاً اپنے ابا جی کو ہی دیکھ لیں۔ ادھر اماں جی نے کسی بات پر احساس دلایا کہ فلاں فیصلہ ہمارے اور ہمارے بچوں کے مستقبل کے لیے بہتر نہیں، اُدھر ابا کی غیرت جوش میں آئے گی اور جھڑک کر کہیں گے: ”تمہیں زیادہ پتہ ہے کیا؟ میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔“ اس زعم میں اکثر و بیشتر ہمارے بزرگ ایسے ایسے غلط فیصلے کر جاتے ہیں کہ پھر ساری عمر پچھتاتے ہیں لیکن مانتے پھر نہیں۔ بہو آئے گی چاہے کتنے ہی اچھے مزاج اور خاندان سے ہو، لیکن اس کی ہر شے، ہر رشتے اور ہر ادا کو جیسے تیسے کم تر بتایا جائے گا اور احساس دلائیں گے کہ اس کی صورت، نسب اور ڈگریاں تو صرف چولہے میں جھونکنے کے قابل تھیں، یہ تو ہم ہیں، جنہوں نے ماتھے کا جھومر بنالیا۔

محلے میں نکلیں تو کسی کو کسی کی شکل پر ٹھٹھہ سوجھتا ہے، تو کسی کو دوسروں کے کپڑوں پر، کوئی کسی کی حرکات وسکنات کا مزاق اڑا رہا ہے تو کوئی کسی کی طرز رہائش کی برائیاں کرتے نہیں تھکتا، بھلے خود کے پاس قبل از مسیح کی ایف ایکس ہو، لیکن دوسرے کی ہونڈا کار کو بھی ہیچ بتائیں گے۔ آفس میں باس ہمیشہ درست ہو گا، تو یونیورسٹی، اسکول، کالج کے طلبہ کے گروپ میں طلبہ اپنی زیادہ سمجھ بوجھ کا رعب ڈالتے دکھائی دیں گے۔ کولیگز ہوں گے تو اٹھتے بیٹھتے ایک دوجے کو تو مذاق کا نشانہ بنائیں گے ہی لیکن خواتین کو ذرا سی غلطی پر بھی کم تری کا احساس دلا دلا کر یہ جتائیں گے کہ انہوں نے سوچنے سمجھنے اور کام کرنے کی غلطی کیوں کر ڈالی؟

شاعر ادیب ہیں تو نئے آنے والوں کو قبول نہیں کریں گے۔ اور تو اور اپنے ہم عصروں کو بھی قبول کرنے میں ایسے متامل رہیں گے کہ جب تک کوئی معصوم بوڑھا ترین ہو کر قبر میں اتر نہیں جاتا، اس کے مقام و مرتبے پر مجال ہے، جو کبھی متفق ہو جائیں۔ یعنی کسی کی عظمت کے اعتراف کے لیے بھی اس کا مرنا شرط ٹھہرایا جاتا ہے، یوں بھی مرنے والے کی برائی کرنا تو ہمارے کلچر میں بہت نیچ حرکت خیال کی جاتی ہے، رہی سہی کسر سوشل میڈیا ٹرولنگ نے پوری کر دی ہے، جہاں معمولی سے معمولی غلطی پر بھی بخشش کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

کوئی شاعر ہے، لکھاری ہے، اداکار یا گلوکار، مخصوص سوچ کے حامل گروپ ایسی ایسی میمز اور مزاحیہ باتیں ان سے جوڑ کر اڑا دیتے ہیں کہ دنوں میں کسی بھی اچھی خاصی شخصیت کو روپوش ہو جانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ترقی یافتہ ملکوں میں جا کر رہ نہیں سکتے تو ان کے کلچر کی خود ساختہ برائیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر بیان کرتے ہیں اور اپنی نادیدہ اخلاقی قدروں کا ایسا پرچار کرتے ہیں کہ ان سے زیادہ اچھا اور نیک شاید کی دنیا کی قوموں میں پایا جاتا ہو۔ جبکہ مسئلہ وہی ہے کہ کوئی ہم سے زیادہ خوبصورت کیوں ہے، کوئی ہم سے زیادہ باصلاحیت کیوں ہے، کسی کے پاس ہم سے زیادہ دولت اور مقام ومرتبہ کس لیے ہے؟ بحیثیت قوم ہم اپنی احساس کم تری کو احساس برتری میں بدل کر اپنے لیے اس نشے کا انتظام کرنے میں دل وجان سے مصروف ہیں، جسے کرنے کے بعد ہم سب کو لگتا ہے کہ میں سب کچھ سب سے زیادہ جانتا ہوں۔“

حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ کس کے اندر کتنی خوبیاں ہیں یہ خدا ہی جانتا ہے اور وہی انسانوں کے اندر خوبیاں پیدا کرنے والا اور انسانوں کے درجات کو بلند کرنے والا ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”ہم جس کے چاہیں درجات بلند کرتے ہیں، اور ہر ایک جاننے والے سے بڑھ کر دوسرا جاننے والا ہے۔ (سورہ یوسف/۷۶)

اس لیے ہمیں ایک دوسرے کی خوبیوں کا اعتراف کرنا چاہئے، سوچیے ذرا کسی کا کسی معاملے میں افضل ہونا قبول کر لیں گے تو کیا قیامت آ جائے گی۔ اگر کوئی کسی بات میں ہم سے آگے ہے، تو ہم بھی کسی نا کسی صلاحیت، رتبے یا مقام میں کسی سے الگ ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کی خوبیوں کا اعتراف کر لینے میں کچھ نہیں جاتا۔ بلکہ اس سے ایک اچھا مثبت انداز فکر کا معاشرہ تشکیل پائے گا جس میں حسد اور مقابلے کا عنصر کم سے کم ہوگا۔ اپنی کمیوں کوتاہیوں کا احساس ہوگا تو ان پر محنت کر کے انہیں بہتر بنانے میں مدد ملے گی۔

جب فرد کی سطح پر مثبت تبدیلی کا آغاز ہوگا تو لامحالہ یہ مجموعی تبدیلی کا شاخسانہ ثابت ہوگا۔ مان لیجیے کہ آپ سب کچھ نہیں جانتے اور اس نہ جاننے میں کوئی سبکی بھی نہیں ہے۔ (بحوالہ ڈی ڈبلیو ڈاٹ کام)

Scanned with CamScanner

بچوں کا ادب: کل، آج اور کل

ڈاکٹر عادل حیات

کسی بھی پودے کی آبیاری اور اس کی کٹائی چھٹائی کرتے ہوئے ذہن کے کسی گوشے میں یہ خیال ضرور ہوتا ہے کہ ایک دن یہ ننھا سا پودا بڑا ہو جائے گا تو اس پر پھول آئیں گے، جن کی خوشبو سے فضائیں معطر ہوں گی اور ذائقے دار پھل بھوک کی تسکین کریں گے۔ مطلب صاف ہے کہ اس جانکاہی کے پیچھے شعوری اور غیر شعوری طور پر ایک مقصد ہوتا ہے، جس کے تحت بڑے سے بڑا کام آسان ہو جاتا ہے۔ بچوں کی صحیح پرورش و پرداخت بھی اسی فکر کے تحت ممکن ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بچے والدین کی آنکھوں کے نور اور دل کا سرور تو ہوتے ہی ہیں، ان سے ملک وقوم کا مستقبل بھی وابستہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کی بہتر تعلیم وتربیت سے ملک وقوم کے مستقبل کو روشن کیا جاسکتا ہے۔ خیال رہے کہ بچوں کا ذہن فطرتاً سادہ تختی کی مانند ہوتا ہے، اس پر کندہ حروف بہت دور سے اپنی چمک دکھاتے ہیں۔ یہ والدین اور ملک وقوم پر منحصر ہے کہ وہ اپنے نونہالوں کی پرورش و پرداخت کس فکری نہج سے کرتے اور ان کی سادہ تختی پر کیسا مواد تحریر کرتے ہیں۔ یہ مواد صحت مند اور ان کی ذہنی استعداد، جبلی ضروریات اور نفسیاتی تقاضوں کے مطابق ہوگا تو یقیناً بچوں کی دلچسپی بڑھے گی اور وہ تعلیمی زینوں کو عبور کرتے ہوئے آنے والے کل میں قومی ترقی کے افلاک کو چھو سکتے ہیں۔ دوسری صورت ظاہر ہے کہ انہیں تخریب کے راستے پر لے جانے کے لئے کافی ہے۔

میں کھڑکی کے پٹوں کو کھول کر گزرے زمانے میں جھانکنے کی کوشش کرتا ہوں تو ماضی قریب سے بعید تک کئی چہرے نظم ونثر کی صورت میں بچوں کا ادب پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کچھ چہرے جو حال کی تگ ودو میں بھی یاد رہ گئے ہیں، ان میں پہلا امیر خسرو کا ہے کہ ان سے "خالقِ باری" منسوب تھی، بعد کی تحقیق کے مطابق اس کتاب کے مصنف کے طور پر امیر خسرو کے بجائے ضیاالدین خسرو گوالیاری کا نام سامنے آیا۔ اس کے باوجود پہلیاں اور دوسری نظمیں یمین الدین امیر کو خسروی عطا کرتی ہیں۔ اس کے مدتوں بعد ادبِ اطفال کے افق پر نظیر اکبرآبادی کا نام روشن ہوا۔ انہوں نے اصنافِ شاعری سے شغف رکھا اور جانے انجانے میں ایسی نظمیں کہیں، جو بچوں کے درمیان مقبول ہوئیں اور آج بھی دلچسپی کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ نظیر اکبرآبادی سے ۱۸۵۷ء تک کئی چہرے ذہن کے پردے پر عکس ریز ہیں کہ انہوں نے بطور تفننِ طبع بچوں کے ادب کو اپنا موضوع بنایا۔ جنگِ آزادی کے بعد حالات بدلے تو بچوں کی تعلیم وتربیت کے سابقہ تمام نظریات اور ضابطے مسمار ہو گئے اور نئے وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق بچوں کا ادب لکھا جانے لگا۔ سرسید نے مضامین لکھے تو ان کے رفقا میں الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، مولانا محمد حسین آزاد اور ڈپٹی نذیر احمد نے نثر ونظم میں بچوں کا ادب لکھ کر اسے معیار عطا کیا۔ بعد ازاں ادبِ اطفال کا ایک لامتناہی سلسلہ دراز ہوا اور ہر چھوٹے بڑے شاعر وادیب جن میں برج نرائن چکبست، اسماعیل میرٹھی، افسر میرٹھی، تلوک چند محروم، منشی پریم چند، سر محمد اقبال، اندر جیت شرما، کرشن چندر، خواجہ احمد عباس، خواجہ حسن نظامی، حیات اللہ انصاری، حفیظ جالندھری، ڈاکٹر ذاکر حسین، عفت موہانی، عصمت چغتائی، شفیع الدین نیر، فیض لدھیانوی، فیض احمد فیض، ساحر لدھیانوی، ابنِ انشا، بزمی بھارتی، سطوت رسول وغیرہ نے اپنے اپنے طور پر پیش رفت کی اور متعدد اصناف میں بچوں کے لیے ادب کی تخلیق اور دوسری زبانوں سے بچوں کے ادب کا ترجمہ کیا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اصناف کی سطح پر بچوں کے ادب کا دائرہ کار وسیع ہوا اور ترجمے کے ذریعے اس میں گہرائی وگیرائی بھی آئی۔ ان اکابرینِ شعر وادب نے بچوں کی جبلی تقاضوں، ان کی نفسیات اور پسند وناپسند کا زبان وبیان اور موضوعات کی سطح پر خاص خیال رکھا۔ انہوں نے آسان زبان میں ایسے موضوع ومواد کو اظہار کا وسیلہ بنایا جو بچوں کے معیار اور ان کی دلچسپیوں کے مطابق ہوں۔ میں واضح کرتا چلوں کہ جنوں پریوں، دیومالائی، محیر العقول مواد کی فراہمی بھی بچوں کے فطری تقاضوں کے مطابق تھے۔ اتنا ہی نہیں ایسے تمام موضوعات ادب کا حصہ بنے، جن سے بچوں کی گہری وابستگی ہوتی ہے۔ ان شعرا وادبا نے ادبِ اطفال کے نام پر جو کچھ بھی لکھا وہ اپنی فکری و فنی جودت کی بنا پر ایک زمانے تک بلکہ میں یہ کہوں کہ موجودہ عہد میں بھی بچوں کی ذہنی وفکری آبیاری میں ممد ومعاون ہیں تو غلط نہ ہوگا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ماضی میں بچوں کا جو ادب لکھا گیا وہ تخلیقی معیار کی بلندیوں کو چھوتے ہیں یا پھر یہ کہ وہ بچوں کی دلچسپیوں اور عدم دلچسپیوں کے عین مطابق ہیں۔ ان میں بھی گہر پارے کے ساتھ خزف ریزے موجود ہیں، لیکن ایک زمانے میں وہ تحریریں ایسی مشہور ہوئیں کہ انہیں گہر پارہ ہی سمجھا گیا۔ وجہ بس اتنی تھی کہ اس وقت ادبِ اطفال کا ذخیرہ بہت ہی قلیل تھا، جو بھی تخلیقات وجود میں آتیں انہیں تبرکاً قبول کر لینا فطرت کے عین مطابق ٹھہرتا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ وہ زمانہ اردو اور اردو والوں کا تھا۔ بلا تفریق مذہب ہندوستان میں بچوں کی تعلیم وتربیت اردو زبان میں ہوتی تھی۔ وہ ایک عمر کے بعد اردو کے اسرار ورموز سے نہ صرف واقف ہو جاتے بلکہ اردو کی کتابیں مطالعے کا حصہ ٹھہرتیں۔ میرے ساتھ بچپن کی گلیاروں میں چل کر آپ بھی دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس وقت ابتدائی تعلیم عربی، فارسی اور اردو کی کتابوں سے شروع ہوتی تھی۔ میں بھی اسی ذریعۂ تعلیم کا پروردہ ہوں۔ میں نے غیر مسلم بچوں کو بھی اسی طرز پر تعلیم حاصل کرتے ہوئے دیکھا ہے، فرق صرف اتنا تھا کہ وہ عربی کی جگہ ہندی کی منوہر پوتھی پڑھا کرتے تھے۔ اس زمانے میں بچوں اور بڑوں کے کئی رسالے گھروں میں آتے اور ہم شوق سے ان کا مطالعہ کرتے تھے۔ کئی گھروں میں داستانوں کی بڑی بڑی جلدیں اور جاسوسی ناولوں کے ذخیرے بھی ہوا کرتے تھے۔ میرے گھر میں بھی داستانِ امیر حمزہ کی جہازی سائز میں کئی جلدیں موجود تھیں، علاوہ ازیں ابنِ صفی کے جاسوسی ناولوں کا ذخیرہ بھی تھا۔ میں نے اپنی ابتدائی عمر میں ہی ان کتابوں کو اپنے بڑے بزرگوں سے چھپا کر پڑھ لی تھی۔ میرے کہنے کا مطلب صرف اتنا ہے کہ اس زمانے میں قارئین کا اکال نہیں تھا۔ اس لیے ہمارے بزرگوں نے جو کچھ بھی لکھا، یہ سمجھے بغیر کہ اس کی اہمیت وافادیت کیا ہے، ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

واضح رہے کہ اردو کے تقریباً تمام ادیبوں نے بچوں کے لیے لکھا ہے، لیکن ایسی چیزیں مقدار میں بہت کم ہیں جن پر صحیح معنوں میں بچوں کے ادب کا اطلاق ہو سکے۔ ایک سوال ذہن میں کلبلاتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اس کا سیدھا سا جواب دینا چاہیں تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ بچوں کے ادب کی کبھی تعریف متعین نہیں کی گئی۔ زبان وبیان اور موضوع ومواد پھر اس کی ضخامت کے حوالے سے گفتگو کے دروازے نہیں کھلے اور نہ ہی بچوں کے ادب کو قابلِ اعتنا سمجھا گیا کہ شاعر وادیب پوری طرح توجہ کرتے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اردو ادب کی تاریخ میں امیر خسرو سے لے کر آج تک ایک دو کو چھوڑ کر جن میں شفیع الدین نیر کا نام پیش پیش ہے، کوئی ایسا چہرہ نظر نہیں آتا، جسے خالص بچوں کا شاعر یا ادیب کہا جا سکے۔ دوسری چیز یہ کہ ماضی میں ایسا کوئی پیمانہ نہیں تھا، جس کی روشنی میں حتمی طور پر فیصلہ کیا جا سکے کہ کس عمر کے بچوں کے لیے کیسا ادب قابلِ فہم ہو سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ماضی میں لکھے گئے بچوں کے ادب کو نئے تعلیمی اصول ونظریات کی چھلنی میں رکھ کر دیکھنا چاہئے کہ اس میں سے کنکر، پتھر اور ایسی تمام چیزیں الگ ہو جائیں جو بچوں کی پسند وناپسند، فطری ونفسیاتی تقاضوں اور ان کی تہذیب وتربیت میں کسی طرح معاون نہ ہو سکیں۔ یقین جانیے چھلنی میں جو کچھ بھی بچے گا چاہے مقدار میں مٹھی بھر سے بھی کم ہوں، یقیناً وہ بچوں کی تعلیم وتربیت اور ان کی ذہنی وفکری ارتقا کے لحاظ سے جواہر پارہ کہلانے کا مستحق ہوگا۔

یاد رکھیے کہ حال اپنے ماضی کی بنیادوں پر استادہ ہوتا ہے، بچوں کے ادب کے سلسلے میں بھی اسی مفروضے کو جائز سمجھا گیا اور اسی لیک پر ادبِ اطفال کی دو پہیا گاڑی مستقبل کی طرف گامزن ہے، چنانچہ بچوں کے ادب کے حوالے سے حال اور ماضی میں زیادہ فرق نہیں کہ آج بھی بچوں کے ادب کے نام پر موٹے موٹے غیر مانوس الفاظ، لمبے لمبے جملے، زبان وبیان کی ناہمواریوں سے بھرپور لمبی چوڑی کہانیاں، غیر مترنم اور جگہ جگہ پر اٹکتی ہوئی نظمیں لکھی جاتی ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ بچوں کے ادیب تعلیم وتربیت کے نئے اصول ونظریات کو ذہن میں رکھتے ہوئے دوسری زبانوں میں لکھے گئے بچوں کے ادب کا مطالعہ کرتے اور عصری تقاضوں کے مطابق ادب تخلیق کو اپنا ایمان بناتے تو یقیناً ان کی کاوشیں بچوں کے لیے ہوتیں اور بچوں کے ذہنی وفکری ارتقا اور تعلیم وتربیت کے لحاظ اہمیت رکھتیں۔ واضح رہے کہ پختہ موضوع ومواد کو آسان زبان واسلوب میں بیان کر دینے سے بچوں کا ادب نہیں بنتا بلکہ اس کے لیے خود بچہ بن کر ان کے جبلی ونفسیاتی تقاضوں اور پسند وناپسند کو محسوس کرنا اور اس کے مطابق لکھنا ہوتا ہے۔

ماضی کی لیک پر چلتے ہوئے بچوں کے عصری تقاضوں کو فراموش کر دینا عقلمندی کی بات نہیں کہ عصری تقاضوں کو موضوع بنائے بغیر بچوں کا ادب تخلیق کرنا نئے زمانے کی سچائیوں سے آنکھیں چرانا تو ہے ہی، ادبِ اطفال کے مقاصد اور اس کی روح کو بھی مجروح کرنا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ نئے زمانے کا بچہ گلوبل ویلج کا پروردہ ہے، جس کا شعور پختہ ہی نہیں بلکہ وہ چاند ستاروں اور ارض وفلک کو الگ زاویے سے دیکھتا اور اس کے مطابق سوچتا ہے، وہ ایک چھوٹے سے ڈیوائس کے ذریعے دنیا بھر کی سیر کر رہا ہوتا ہے، اسے جنوں پریوں، دیومالائی، طلسماتی اور محیر العقول کہانیوں، غیر دلچسپ نظموں اور ایسی اصناف نظم ونثر سے نہیں بہلایا جا سکتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بچوں کے لیے مذکورہ تمام چیزیں غیر ضروری ہیں بلکہ میرا ماننا ہے کہ بچوں کی جبلی اور نفسیاتی تقاضوں کی تسکین میں یہ ساری چیزیں غیر معمولی اہمیت رکھتی ہیں، لیکن میں بچوں کے لیے ایسے ادب کا تصور کرتا ہوں جو:

(1) بچوں کی حقیقی زندگی پر مبنی ہو اور جس میں فکر وعمل کے دروازے کھولنے کی قدرت پائی جائے۔ (2)۔ جسے لکھتے ہوئے بچوں کی نفسیات، ان کی ذہنی سطح اور ان کے تدریجی ارتقا کا خیال رکھا جائے۔ (3)۔ جو بچوں کی تفریح طبع کے ساتھ اُن کے فکر وعمل کا ساتھ دے، اُن کے شعور کو بیدار کرے، ان میں اچھے برے کی تمیز پیدا کرے، اُن کے نفس کی تہذیب کرے اور جس میں بچوں کو ایک اچھا شہری اور نیک انسان بنانے کی قوت پائی جائے۔ موجودہ منظر نامے پر کئی نام بچوں کے ادب کے حوالے سے مل جائیں گے، میں ناموں کی کھتونی سے بچتے ہوئے بس سوالیہ نشان لگانا چاہتا ہوں کہ ان کی تخلیقات بچوں کے لیے ہوتی ہیں یا نہیں؟ میرے مشاہدے میں عصری منظر نامہ زیادہ مایوس کن ہے کہ بچوں کے لیے جو ادب لکھا جا رہا ہے، وہ خیال کی رفعت، جذبے کی صداقت، زبان کی لطافت اور بیان کے حُسن سے عاری ہوتے ہیں۔ ایسی خامہ فرسائی کس کام کی جو دل کو چھو لینے والی کیفیت سے محروم ہوں۔ ان دنوں بچوں کے بزرگ شعرا وادبا کی تخلیقات میرے مطالعے کا حصہ رہی ہیں، میں نام لیے بغیر کچھ چیزیں پیش کرتا ہوں۔ نرسری رائمز یعنی چار سے سات برس تک کے نونہالوں کے لیے لکھی گئیں نظموں کے زمرے میں ایک خوبصورت نظم "اکڑ بکڑ" کا مطالعہ کرتے ہیں:

اکڑ بکڑ بمبے / بجلی کے دو کھمبے / دُبلے ماموں جیسے / بھیا جیسے لمبے / کھمبوں پر دو کوّے / آئے چڑھا کر پوّے / مل کر گنتے گنتی / ستر اسّی نوّے

بلاشک وشبہ نظم تخلیقی معیار کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ اس میں نرسری کے بچوں کی فکری سطح، ذہنی استعداد، ان کی لفظیات اور نفسیاتی تقاضوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس نظم کو پڑھتے ہوئے نہ صرف بچوں کی دلچسپی میں اضافہ ہوگا بلکہ کندن کی طرح اسے نکھرنے کا موقع بھی ملے گا، لیکن "آئے چڑھا کر پوّے" کو ذہن میں رکھیے، یہ پوّا کیا ہے، اگر کوئی بچہ نظم کی قرأت کے دوران پوچھ لے تو اس کا جواب کیا ہوگا؟ میں سمجھتا ہوں کہ وہی نظمیں بامعنی اور بچوں کے درمیان مقبول ہوتی ہیں، جو بچہ بن کر، بچوں کے لیے اور ان کی زبان میں لکھی جائیں نیز ان نظموں کا متکلم بھی بچہ ہو، لیکن بیشتر نظموں کا متکلم بچہ نہیں بلکہ خود شاعر ہوتا ہے، جس کی بنا پر بعض نظموں میں زبان وبیان کی ناہمواری اور تسلسل کے فقدان کا شدید احساس ہوتا ہے۔ وہ اپنی نظموں میں ایسے موضوعات بھی باندھ دیتے ہیں، جو بچوں کے لیے بلاشبہ سودمند ثابت نہیں ہو سکتے۔ مثال کے طور پر ایک نظم سے چند مصرعے دیکھیے:

ماما کو پھر غصہ آیا / مردوں والا رعب دکھایا / اک موٹا سا ڈنڈا لائے / تان کے دو اک ہاتھ دکھائے۔

ان دو مصرعوں میں گھریلو تشدد کو موضوع بنایا گیا ہے، جو ننھے اذہان کی نشو ونما کے لیے مہلک ترین سیرپ کی حیثیت رکھتا ہے۔ نظم کچھ آگے بڑھتی ہے تو مداری سمجھاتے ہوئے بندریا سے کہتا ہے:

اٹھ بیٹا مت کر نادانی / کام سمجھ سے لے دیوانی / گھر جا ورنہ پچھتائے گی / تیری سوتن آجائے گی۔

بندریا جو ظلم وستم کا نشانہ بن رہی ہے، اسے ہی سمجھ سے کام لینے کی تلقین اور دوسری صورت میں سوتن کے آنے کی دھمکی دینا کیا ادبِ اطفال کا موضوع ہو سکتا ہے؟ بلاشبہ ایسا ادب نہ تو بچوں کی جبلی اور نفسیاتی تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور نہ ہی ان کی ذہنی وفکری کشادگی میں معاون ہو سکتا ہے۔ ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ بچوں کے لیے لکھی گئیں ایسی تخلیقات کس طرح ان کے جمالیاتی حسن کی تسکین، ان کی تربیت اور نشو ونما میں معاون ہو سکیں گی۔ (بقیہ صفحہ ۱۳ پر)

Scanned with CamScanner

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

مولانا سرفراز عالم ندوی

محرم الحرام اسلامی کلینڈر کا پہلا مہینہ ہے، اس کو ہجری کلینڈر بھی کہا جاتا ہے، دنیا کے تمام اہل ایمان عربی مہینے کے اعتبار سے ہی اپنے دینی وملی فرائض یعنی حج روزہ زکوۃ عیدالفطر عیدالاضحیٰ وغیرہ کا اہتمام کرتے ہیں۔

جب بھی محرم الحرام کا مہینہ آتا ہے تو اس میں واقع ہونے والے تمام واقعات وحادثات کی یادیں تازہ ہوجاتی ہیں، مسجدوں کے محراب اور محفلوں کے وعظ میں بھی انہیں کا تذکرہ ہوتا ہے، اس ماہ میں رونما ہونے والے اہم ترین واقعات میں ایک بہت اہم واقعہ نواسہ رسول حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت بھی ہے۔

دس محرم الحرام 61 ہجری کو میدان کربلا میں حق وباطل کے مابین ایک عظیم معرکہ آرائی ہوئی جس میں نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ میدان کربلا میں تشریف لائے، دل جزبہ جہاد سے سرشار تھا، حالانکہ جنگی اسباب بھی وافر مقدار میں نہ تھے، لیکن دین اسلام کی بقاء اور حفاظت کے لئے وقت کے ظالموں کے خلاف مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا اور شہادت کا ایک ایسا باب قائم کیا جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ علامہ اقبال نے مجاہدین اسلام کے بلند مقام ومرتبہ اور اسلام کی سربلندی کے لئے جذبہ شہادت کے شوق کو دلکش انداز میں پیش کیا ہے

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تم نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

اسلام میں شہادت فی سبیل اللہ کو وہ مقام حاصل ہے کہ نبوت وصداقت کے بعد کوئی بڑے سے بڑا عمل بھی اس مقام کو حاصل نہیں کرسکتا، اسلام کے مثالی دور میں اسلام اور مسلمانوں کو جو ترقی اور سربلندی حاصل ہوئی وہ ان شہداء کی جانثاری کا فیض تھا، جنہوں نے اللہ رب العزت کی خوشنودی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اپنے خون سے اسلام کے سدابہار چمن کو سینچا۔

شہادت سے ایک ایسی پائیدار زندگی نصیب ہوتی ہے جس کے انمٹ نقوش تاریخ انسانیت پر ثبت رہتے ہے، جس کو صدیوں کا گردوغبار بھی دھندلا نہیں کرسکتا اور جس کے نتائج وثمرات انسانی معاشرے میں رہتی دنیا تک قائم ودائم رہتے ہیں، قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں شہادت اور شہداء کے اس قدر فضائل بیان کئے گئے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے اور مقام شہداء کی فضیلت میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ بقول شاعر

جو بھی شہید حق ہیں وہ مرتے نہیں کبھی
میرا کہا نہیں ہے یہ رب کا کلام ہے

دین اسلام میں شہادت کے مقام کو غیر معمولی اہمیت اور بہت ہی اعلی مقام حاصل ہے، چنانچہ سورہ بقرہ میں اللہ تعالی کا فرمان ہے۔ نماز اور صبر کے ذریعہ مدد طلب کرو، بے شک اللہ تعالی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے (البقرہ 153.154)

سورہ آل عمران شہداء کے متعلق اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے انہیں ہرگز مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس ان کو رزق دیا جاتا ہے، اللہ تعالی نے اپنے فضل سے جو انہیں دے رکھا ہے اس سے وہ بہت خوش ہیں اور خوشیاں منارہے ہیں ان لوگوں کے بابت جو ان سے نہیں ملیں ان کے پیچھے ہیں اس حال میں نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے، وہ اللہ کی نعمت اور فضل سے خوش ہیں اور اس سے بھی کہ اللہ تعالی ایمان والوں کے اجر کو برباد نہیں کرتا (آل عمران 169 تا 171)

شہداء کی پہلی فضیلت

شہداء کی پہلی فضیلت تو یہ بیان کی گئی کہ وہ مرتے نہیں، بلکہ دائمی زندگی کے مالک ہوتے ہیں، یہی دائمی حیات شہداء کے امتیاز کو بیان کرتی ہے، اب رہی بات کہ وہ امتیاز کیا ہے اور وہ زندگی کیسی ہے، اس کی حقیقت سوائے خالق کائنات کے کوئی نہیں جانتا اور نہ جان سکتا ہے، نہ جاننے کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے خود فرمایا ہے "لیکن تم اس کو محسوس نہیں کرسکتے" یعنی شہداء کی زندگی یقینا حقیقی ہے لیکن اہل دنیا کو اس کا شعور نہیں (قرطبی)۔

شہداء کی دوسری فضیلت

دوسری فضیلت یہ ہے کہ ان کو اللہ کی طرف سے رزق ملتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے جوف یا سینوں میں داخل کردی جاتی ہے اور وہ جنت میں کھاتی پھرتی اور جنت کی نعمتوں سے متمتع ہوتی ہیں"۔ (مسلم)

شہداء کی تیسری فضیلت

وہ ہمیشہ ان نعمتوں سے خوش وخرم ہوں گے جو اللہ تعالی نے ان کو عطا فرمائی ہے۔ شہداء احد نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ ہمارے وہ مسلمان بھائی جو دنیا میں زندہ ہیں انہیں ہمارے حالات اور پرمسرت زندگی سے کوئی مطلع کرنے والا ہے تاکہ وہ جنگ وجدل سے اعراض نہ کریں۔ اللہ تعالی نے فرمایا میں تمہاری بات ان تک پہنچادیتا ہوں۔

شہداء کی چوتھی فضیلت

شہداء جن متعلقین کو دنیا میں چھوڑ گئے تھے ان کے بارے میں بھی ان کو یہ خوشی ہوتی ہے کہ دنیا میں رہ کر نیک عمل اور جہاد میں مصروف ہیں ان کو بھی یہاں آکر یہی نعمتیں اور درجات عالیہ ملیں گے۔

سدیؒ نے بیان کیا ہے کہ شہداء کا جو کوئی عزیز دوست مرنے والا ہوتا ہے شہید کو پہلے ہی اس کی اطلاع کردی جاتی ہے کہ فلاں شخص اب تمہارے پاس آرہا ہے وہ اس سے ایسے خوش ہوتا ہے جیسے دنیا میں کسی بھولے ہوئے دوست سے بعد مدت ملاقات کی خوشی ہوتی ہے۔

سورۃ النساء میں اللہ تبارک وتعالی نے شہداء کرام کو ان لوگوں کے ساتھ بیان کیا ہے جن پر اللہ تعالی اپنا خاص فضل وکرم اور انعام واکرام فرمایا انہیں صراط مستقیم اور سیدھے راستے کا معیار و کسوٹی قرار دیا ہے۔

چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ "جو کوئی اللہ تعالی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے پس وہ قیامت کے دن ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالی نے اپنا خاص انعام فرمایا ہے جو کہ انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین ہے اور یہ کتنے بہترین ساتھی ہیں" (سورۃ النساء:69)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تجھے معلوم ہے کہ اللہ نے تیرے باپ کو زندہ کیا اور کہا کہ مجھ سے اپنے کسی آرزو کا اظہار کر تیرے باپ نے جواب دیا کہ میری تو صرف یہی آرزو ہے کہ مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ دوبارہ تیری راہ میں مارا جاؤں۔ اللہ تعالی نے فرمایا یہ تو ممکن نہیں ہے اس لیے کہ میرا فیصلہ ہے یہاں آنے کے بعد کوئی دنیا میں واپس نہیں جاسکتا (مسند احمد)

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ کوئی مرنے والی جان جس کو اللہ کی یہاں اچھا مقام حاصل ہے وہ دنیا میں لوٹنا پسند نہیں کرتی البتہ شہید دنیا میں دوبارہ آنا پسند کرتا ہے تاکہ وہ دوبارہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے یہ آرزو ہے اس لیے کرتا ہے تاکہ وہ شہادت کی فضیلت کا مشاہدہ کرلیتا ہے (مسلم شریف)

ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ شہید کو راہ خدا میں قتل کی اتنی تکلیف بھی نہیں ہوتی جتنی کہ تم میں سے کسی کو چیونٹی کاٹنے پر ہوتی ہے (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میری آرزو اور تمنا ہے کہ میں اللہ تعالی کی راہ میں شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر شہید کیا جاؤں" (بخاری)

علاوہ ازیں فضائل شہادت کے باب میں اور بھی آیات وروایات بکثرت موجود ہے جن کا احاطہ جگہ ممکن نہیں عہد نبوی میں تمام اہل ایمان کے قلب وجگر میں جذبہ شہادت موجزن تھا جب بھی کوئی ایسا موقع میسر آتا تو مرد عورت بچے بوڑھے اور نوجوان جام شہادت نوش فرمانے اور مقام شہادت کو حاصل کرنے کے لئے پیش پیش رہتے اور زبان حال سے یہی کہتے تھے

کہ جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

لیکن آج حالات حاضرہ میں دنیا کی چاہت دین سے بیزاری ایمان ویقین کی خرابی اور شوق شہادت کو فراموش کرنے کی وجہ سے ہماری حالت دن بدن خراب ہوتی جارہی ہے، ایمان والوں کے لئے اسلام پر چلنا اور احکام خداوندی کی پیروی مشکل ہوتا جارہا ہے۔ شعائر اسلام پر پابندی عائد کی جارہی ہیں، ہماری نسلوں سے ایمان ویقین کی دولت سلب کرنے کے ناپاک مشورے ہورہے ہیں، زمین اپنی وسعت کے باوجود دن بدن مسلمانوں پر تنگ ہوتی جارہی ہے، شہادت ایک عظیم مرتبہ اور بہت بڑا مقام ہے جو قسمت والوں کو ہی اللہ کے فضل وکرم سے ملتا ہے ہے، وہی اس نعمت عظمی کو حاصل کرتا ہے جس کے مقدر میں ہمیشہ کی کامیابی لکھی ہوتی ہے، صاحب ایمان کی حقیقی دائرے میں کامیابی یہی ہے کہ اللہ کے دین کی سربلندی کی خاطر شہید کردیا جائے، لہذا ایک مومن کامل کی سب سے بڑی خواہش اور دلی تمنا یہی ہونی چاہیے کہ راہ خدا میں مقام شہادت سے سرفراز ہو اور آخرت میں دائمی کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہو۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی
وہ عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

Scanned with CamScanner

چین کے مسلمانوں کی حالت زار

مولانا محمد حسان خان

چین ایک عالمی طاقت بننے کی طرف گامزن ہے اور اس کے لیے جدو جہد کر رہا ہے اس کو تکبر کا احساس ہو چلا ہے، تکبر کا احساس انسان کو تباہ و برباد کر دیتا ہے سینکیا نگ (سرحدی صوبے) جس کا پرانا نام مشرقی ترکستان ہے یہ ایک آزاد ملک تھا، لیکن 1949ء میں اس کو چین میں ضم کر دیا گیا کیونکہ تمام زمینی دولت خدا نے پورے چین میں اسی علاقہ کو بخشی ہے، چین نے ڈیموگرافک تبدیلی کے ادارے سے دھان کی نسل کے لوگوں کو اس علاقے میں آباد کرنا شروع کر دیا، جب ان کی تعداد بہت بڑھ گئی زمین کے اصلی وارثوں پر زمین تنگ کی جانے لگی تو آپسی رنجش دونوں برادریوں میں پیدا ہوئی، دھان کے کچھ لوگ مارے گئے ،اب یہ پلان بنا ہے کہ ایغور مسلمانوں کی پوری نسل کو ختم کر دیا جائے۔

تمام دنیا کے مسلمان بے چین ہیں لیکن مسلم حکام چین کی بانسری بجا رہے ہیں۔امریکہ اور یورپ کے NGOs کا بڑا اچھا رول ہے۔

ہندوستان اور چین میں بھی آگے بڑھنے کی دوڑ لگی ہوئی ہے حکمراں پارٹی قوم پرستی کی باتیں تو بہت کرتی ہے لیکن یہ لوگ چین کو بہت عظیم مانتے ہیں اور تمام دخل اندازیوں اور ہماری سرزمین پر قبضہ کے باوجود انہیں سے جڑے رہنا چاہتے ہیں لیکن کانگریس حقیقی طور پر قوم پرست پارٹی ہے۔

کانگریس پارٹی اگر ایغور کا مسئلہ اٹھاتی ہے تو پورا عالم عرب اور عالم اسلام میں مقبول ہو جائے گی اور اس تحریک کا اثر ہندوستان پر بھی مثبت پڑے گا اور چین کو گھیرنا آسان ہو جائے گا یہاں گاندھی جی کا وہ جملہ دہرانے کی ضرورت ہے جب ان سے خلافت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں اس بارے میں زیادہ نہیں جانتا میرے ملک کے مسلمان اس مسئلے سے پریشان ہیں میں اپنے بھائیوں کے ساتھ ہوں، کانگریس کو اس وقت اس مسئلہ کو ہاتھ میں لے کر مقبولیت بڑھانا چاہیے۔

بعض عرب ممالک چین کے دباؤ کے آگے جھک گئے ہیں اور غور مسلمانوں کو چین کو سونپ رہے ہیں سی این اے بات کی پول کھول لی ہے کہ بہت سے عرب ممالک نے چین کا مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے آئے اور مسلمانوں کو چینی حکومت کو سونپ دیا ہے۔

سی این این نے اپنی رپورٹ میں اطلاع دی ہے کہ امانسیاہ عبداللہ اور ان کے شوہر احمد طالب دونوں ہی دبئی کے بازار میں اپنے بچے کے کپڑے خریدنے گئے تھے کہ انہیں حکومت دبئی کا ایک پیغام ملا کہ آپ پولیس اسٹیشن حاضری دیں، احمد طالب نے اپنی بیوی کو دوست کے گھر چھوڑا اور کہا کہ بہت جلد واپس آتا ہوں لیکن پھر کبھی نہیں لوٹا یہ واقعہ فروری 2018 کا ہے۔

بیوی کے حمل کا آخری مہینہ تھا وہ کسی طرح ٹیکسی کر کے پولیس اسٹیشن گئی، شوہر نے اپنی بیوی کو مشورہ دیا کہ یہاں حالات ٹھیک نہیں ہیں تم فوراً ترکی چلی جاؤ اور یہ بھی درخواست کی کہ اگر لڑکی ہو تو آمینہ اور لڑکا ہوں تو اس کا نام عبداللہ رکھنا ایک ہفتہ بعد شوہر کو ابوظہبی اور وہاں سے چین منتقل کر دیا گیا اور ایک ہفتہ بعد اس کی بچی ترکی میں پیدا ہوئی۔سی این اے جو شہادتیں جمع کی ہیں ان میں امانسیا کی بھی بہت اہم ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر سعودی عرب اور امارات چین کے دباؤ سے اور مسلمانوں کو چینی سفارتی عملہ کو ساتھ دیتے ہیں اور وہ لوگ ان کو لے جا کر کیمپ میں بند کر دیتے ہیں، حقوق انسانی کے لیے کام کرنے والوں نے ان ملکوں سے اور چین سے اس بارے میں جاننے کی کوشش کی تو یہ لوگ جواب نہیں دیتے ہیں۔حقوق انسانی کے لیے کام کرنے والے مصری گروپوں نے تصدیق کی ہے کہ 2017 میں سینکڑوں ایغور مسلمانوں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا ہے اور 20 لوگوں کو چین روانہ کیا جا چکا ہے، حالانکہ یہ وہ طلباء تھے جن کا باقاعدہ جامعہ ازھر میں داخلہ ہوا تھا، 2018ء میں سعودی عرب نے ایغور کو عمرہ کی ادائیگی کے بعد چین بھیج دیا، ایک شخص کو حج کے بعد گرفتار کیا ہوا ہے اور واپس بھیجنے کا خطرہ بنا ہوا ہے۔

ایغور مسلمانوں کے غائب کر دیئے جانے کی خبر ہی نشر ہونے کے بعد یہ مظلوم لوگ جو پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں خوفزدہ ہو گئے ہیں کہ وہ پکڑ لئے جائیں گے اور 20 لاکھ لوگوں کو جو کیمپوں میں بند کر رکھا ہے وہاں رکھ کر بیگار لیں گے، کمیونزم کا درس دیں گے اور بانجھ کر دینے کی کوشش کریں گے کیونکہ چین کی فوجی اور معاشی ترقی کے بڑھنے سے سارے لوگ خوف میں مبتلا ہیں اور چین کے سارے مطالبات ماننے کو تیار ہیں۔ہیومن رائٹس واچ نے اپریل میں رپورٹ دی ہے کہ سیکڑوں ایغور مسلمانوں کو چین دوسرے ملکوں سے گھیر کر واپس لے آیا ہے اور ان پر مقدمہ چلانا چاہتا ہے اصل مسئلہ یہ ہے کہ روبرو پر چین بہت ظلم کر رہا ہے بیس پچیس سال میں شاید ایک بھی شخص زندہ نہیں بچے جو لوگ باہر ہیں اور اس ظلم کے خلاف دنیا کو خبر کر رہے ہیں۔امانسیا کو 25 فروری 2018 کو حکام سے اطلاع ملی کہ اس کے شوہر کو چین بھیج دیا گیا لیکن کوئی وضاحت کوئی سبب نہیں تحریر تھا تین سال گزرنے کے بعد بھی اس کو کوئی جواب نہیں ملا کیوں بھیجا گیا ہے وہ بہت جری عورت ہے اس نے سی این این کے سامنے وضاحت کی کہ اگر میرے شوہر نے کوئی جرم کیا تھا تو ان لوگوں نے مجھے کیوں نہیں بتایا اور چین نے کیوں نہیں بتایا مجھے نہیں معلوم کہ چین میں اس کے ساتھ کیا ہوا دونوں ملک امارات اور چین مکمل طور سے خاموش ہیں ان سے کہا تو میں حیران ہوں کہ یہ قصہ مسلم ملک کا ہے، دبئی اور امارات کی وزارت خارجہ نے احمد کے لیے کی کوئی اطلاع نہیں دی۔

سینکیا نگ کے علاقے میں جہاں مختلف نسل کے مسلمان بستے ہیں ان کو معاشی طور پر فقیر بنا دیا گیا ہے، اسلام پر عمل کرنے پر پابندی ہے اسلامی لباس پر پابندی ہے پینگ کے زمانے میں پابندیاں اور زیادتیاں بہت بڑھ گئی ہیں تو وہاں کے اور نسل کے لوگوں نے چین سے بھاگنا شروع کر دیا چینی حکومت نے دو ہزار سولہ سے مستحکم جیلوں میں 20 لاکھ مسلمانوں کو قید کر رکھا ہے۔

بہت سے پرانے قیدی جنہوں نے ان کیمپوں میں وقت گزارا ہے وہ بتاتے ہیں کہ ان میں مسلمانوں کو دوبارہ مشق بنایا جاتا ہے ان سے ان کی پہچان چھین لی جاتی ہے ماں درین زبان اور کمیونسٹ نظریات رکھنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

چین بہت شدت سے ان الزامات سے انکار کرتا ہے وہ کہتا ہے ان کے جو مراکز ہیں جہاں لوگوں کو دینی تعصب سے دور رہنے کی تلقین کی جاتی ہے لیکن ان میں سابق میسر ہے قیدیوں سے جو معلومات اکٹھا کی گئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں کبھی کبھی غیر قانونی قتل بھی ہوتا ہے اور بعض قیدی عورتوں کی عزت تار تار کی جاتی ہے امریکی وزارت خارجہ چین پر الزام عائد کرتا ہے کہ وہ غیر مسلموں کی نسل کشی کر رہا ہے اور مٹایا جا رہا ہے اور سرگرم کارکن کہتے ہیں کہ سالوں سے مسلمانوں کو اٹھانے اور غائب کر دینے کا سلسلہ جاری ہے، خاندانوں کو کاٹ دیتے ہیں مسلم بچوں کو خاندانوں سے لے کر یتیم خانے میں ماں باپ سے دور رکھتے ہیں افزائش نسل پر پابندی اور عورتوں کو جب رنج بنانے کا سلسلہ جاری ہے ناروی کے اوسلو شہر میں رہنے والے اور مہاجر کارکن عبدالولی ایوب کہتے ہیں کہ میں نے 28 واقعات کی تحقیق کی ہے کہ تین اسلامی ملکوں سے 2017 سے 2019 تک چین پر بھیجے گئے اکیس اور مصر سے پانچ سعودی عرب سے اور دو لوگ امارات سے۔

مشرقی وسطی میں چین نے بڑے گہرے تعلقات مختلف الخیال اور آپس میں دشمن ملکوں سے قائم کر لیے ہیں یہاں سے ایران اور سعودی کے تعلقات ہیں، لبنان جو خطرناک مالی حالات میں گھرا ہوا ہے اور چین کے مطالبات سے کیسے انکار کرے گا گلف ممالک جو کرونا کے حل کے بعد چین کے کے نجات کا ذریعہ سمجھ رہے ہیں 2019 میں مسلمان والے 35 ملکوں نے پیغام دیا تھا کہ امریکہ کی چین پر تنقید بالکل اچھی نہیں ہے کیوں کہ اقوام متحدہ میں مجلس حقوق انسانی نے اس مسئلے کو اٹھایا ہے اور سینکیا نگ میں ہو رہے ظلم پر تنقید کی۔

یہ ایک طرف کی بات ہے دوسری طرف یہ ہے کہ بہت سے خاندان اس مسئلہ پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتے ہیں کہ یہاں ان پر اور وہاں ان کے محبوں پر کوئی آفت نہ آ جائے۔سال 2020 عیسوی میں امارات کے سفیر علی الظاہری نے سنکیا نگ کا دورہ کیا انہوں نے بیان دیا کہ چین نے سینکیا نگ علاقے کیلئے ترقی کا پلان تیار کیا ہے ہے۔ہیومین رائٹس واچ ٹی چینی امور کی رسرچر مایا وانگ کہتی ہیں کہ ظالم اور جابر حکومتوں کا رویہ ایغوروں کے ساتھ قابل تعجب نہیں ہے۔مصر میں حقوق انسانی کی تنظیموں نے ریکارڈ کیا ہے کہ یوروکا بہت اچھا کیا جا رہا ہے مریم محمد کے شوہر چار سال سے غائب کر دیئے گئے ہیں 18 ماہ اور پانچ ماہ کے دونوں بچوں سے اپنے شوہر کے غائب ہو جانے کے بارے میں وہ چھپا رہی ہے اس نے اپنے شوہر مختار روزی کے بارے میں چار سال سے کچھ پتہ نہیں وہ کہاں ہیں۔ہیومن رائٹس واچ کے مطابق مصری سکیورٹی ایجنسیوں نے جولائی 2017 عیسوی میں ان ہوٹلوں اور دوکانوں پر دھاوا بولا جہاں ایورنسل کے لوگ مقیم ہیں اور بانس تعیور کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا ان میں سے زیادہ تر جامعہ ازہر کے طلباء تھے، اس بات کا نہ چین نے نہ مصر نے اعتراف کیا کہ ان طلبہ کو جبراً چین بھیج دیا گیا ہے۔

ایک سال پہلے مصر اور چین کے درمیان سکیورٹی تعاون کا معاہدہ ہوا ہے اور تین ہفتے پہلے مصری وزارت داخلہ اور چینی وزارت عام سیکورٹی کے درمیان نئے تعاون کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔مریم کہتی ہیں کہ چین نے تمام لوگوں سے جو باہر تھے واپس لوٹنے کا مطالبہ کیا وہ کہتی ہیں کہ میرے سارے کاغذات مکمل تھے اس لئے میں اس اعلان پر پریشان نہیں ہوئی لیکن اے ہور کی پکڑ دھکڑ کی وجہ سے ان دونوں نے مصر سے بھاگنے کی کوشش کی لیکن وہ پکڑے گئے اور پھر چین ارسال کر دیئے گئے۔اسی سال حمد اللہ عبدالولی کے ساتھ سعودی عرب میں یہی واقعہ پیش آیا کہ حج کے دوران اس کو گرفتار کیا گیا اور کورونا کے لاک ڈاؤن کی وجہ سے اکتوبر میں اس کے خاندان کو بتایا گیا کہ چینی ایجنٹ اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اس کی بیوی نور ایمان نے اس کو بھیجنے سے روکنے کی کوشش کی کیونکہ اس کی والدہ کی صحیح خبریں سینکیا نگ سے نہیں آ رہی تھی، حمد للہ یہ دوسرا الیغوی ہے جو سعودی عرب میں گرفتار ہوا حالانکہ مقدس دیار مکہ مدینہ کی وزٹ کرنے اور عمرہ ادا کرنے آیا تھا، جولائی 2018 میں اس کو عمرہ کی ادائیگی کے دوران گرفتار کر لیا گیا اور پھر چین کے سپرد کر دیا گیا۔

ایغور مسلمان عرب ملکوں میں بہت خوفزدہ ہیں لیکن اب وہ ترکی کے رویے سے بھی ڈرنے لگے ہیں جبکہ دونوں ترکی النسل ہیں ترکی کے مختلف شہروں میں آئی والوں کے محلے آباد ہیں۔آخری سالوں میں ترکی اور چین کے بیچ میں مجرموں کو سونپنے کا معاہدہ ہو گیا ہے، کیونکہ ترکی نے 1 ایغور کو آذربائیجان ڈیپورٹ کیا اور وہاں سے وہ چین پہنچ گئے، ترکی کو بڑے ممالک میں کسی نہ کسی سے قربت ضروری محسوس ہوتی ہے امریکہ اور روس دونوں کا رویہ اس کے ساتھ صحیح نہیں ہے اس لیے چین کی طرف جھکاو ہو رہا ہے ترکی وزیر خارجہ نے کہا ہے کہ چین پہلے بھی ہم سے اس طرح کا مطالبہ کرتا رہا لیکن ہم ان کی بات نہیں مانتے لیکن ایغور کا ڈر صحیح ہے اور ترکی بھی عرب ممالک اور ایران کے نقشے قدم پر چلنے پر مجبور ہیں۔

Scanned with CamScanner

شمس الرحمٰن فاروقی 'لفظوں کا گھر' بناتے بناتے دنیا سے رخصت ہو گئے

تنویر احمد

شمس الرحمٰن فاروقی کا نام سنتے ہی اردو ادب کی اس شخصیت کا چہرہ سامنے آجاتا ہے، جو تن تنہا 'لفظوں کا گھر' بنانے کی طرف رواں دواں تھے۔ لیکن اب یہ چہرہ صرف خیالوں، کتابوں یا ویڈیوز میں ہی نظر آئے گا۔ 2020 جاتے جاتے اردو کی ایک ایسی عظیم ہستی کو اپنی آغوش میں لے لیا، جس کا بدل ملنا محال ہے۔

کورونا کے اس دور میں جب سبھی کی زندگی ٹھہر سی گئی تھی، 85 سالہ شمس الرحمٰن فاروقی ادب کی خدمت میں پہلے کی ہی طرح جی جان سے جٹے ہوئے تھے۔ اس کا تذکرہ انھوں نے ایک مضمون میں کیا تھا، عنوان تھا "بنا رہا ہوں شبدوں کا گھر"۔ مضمون میں انھوں نے واضح لفظوں میں لکھا تھا کہ "لوگوں کو لگتا ہے کہ لاک ڈاؤن کے دوران بہت زیادہ وقت مل گیا ہے۔ لیکن میری معمولات زندگی اور مصروفیت میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی ہے۔ عمر کا تقاضہ ہے، بہت زیادہ چل پھر نہیں سکتا، اس لیے کہیں آنے جانے کی بات نہیں ہے، گھر میں ہی ہوں۔ ویسے بھی میری بہت گھومنے پھرنے کی عادت نہیں ہے۔ لکھنے پڑھنے میں اب بھی زیادہ وقت گزر رہا ہے۔ ہاں، زیادہ ہو جاتا ہے، تو زیادہ آرام کر لیتا ہوں، بس۔"

اس مضمون میں شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے دیرینہ کام 'اردو سے اردو ڈکشنری' کا تذکرہ کیا تھا جس کا اردو داں طبقہ بے صبری سے منتظر تھا۔ انھوں نے لکھا تھا "اردو سے اردو کی ایک ایسی ڈکشنری تیار کر رہا ہوں، جس میں شاعری اور داستانوں میں شامل تمام پرانے الگ طرح کے الفاظ شامل ہیں۔ فی الحال پندرہویں صدی کے بعد سے لے کر اب تک کے تقریباً گیارہ ہزار ایسے لفظ جمع ہوئے ہیں، جن کے آسان معنی تلاشے ہیں۔ ہاں، اس کام کی رفتار ذرا دھیمی ہے۔ اگر روزانہ 15-10 لفظ بھی مل گئے تو بڑی بات ہے۔ اس میں شمالی ہند کے زیادہ تر الفاظ ہیں، جنوب میں رائج لفظ کچھ کم ہی ہیں۔" کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اب اس 'لفظوں کے گھر' میں کوئی نئی روشنی داخل نہیں ہوگی۔ پدم شری شمس الرحمٰن فاروقی نے جس ڈکشنری کو تیار کرنے کا کام بڑی عرق ریزی کے ساتھ آگے بڑھایا تھا، اس پر اب فل اسٹاپ لگ گیا۔ اس کام کو اب کوئی دوسرا ہی آگے بڑھا سکتا ہے، لیکن اس میں شمس الرحمٰن فاروقی والی تپش کہاں ہوگی! 'لفظوں کا گھر' بناتے بناتے دنیا سے رخصت ہو گئے شمس الرحمٰن فاروقی، اُردو ماتم کناں!

سچ ہے کہ کچھ لوگ دنیا میں آتے ہیں، زندگی گزارتے ہیں، اور پھر چلے جاتے ہیں۔ چند ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کا جانا عرصہ دراز تک مغموم رکھتا ہے۔ 30 ستمبر 1935 کو اتر پردیش میں پیدا ہوئے شمس الرحمٰن فاروقی کا شمار ان چند لوگوں میں ہی ہوتا ہے۔ ادب کے اس خادم کی گونا گوں خوبیوں کو چند سطروں میں بیان کرنا ناممکن ہے۔

پدم شری ایوارڈ، سرسوتی ایوارڈ اور ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ یافتہ شمس الرحمٰن فاروقی کا جانا یقیناً دنیائے ادب اور خصوصاً اردو کے لیے خسارۂ عظیم ہے۔ اس وقت اردو ماتم کناں ہے، تعزیت کا سلسلہ زور و شور سے جاری ہے، لیکن اچھی بات یہ ہے کہ 'کئی چاند تھے سرِ آسماں'، 'افسانے کی حمایت میں'، 'شعر، غیر شعر اور نثر'، 'گنج سوختہ'، 'شعر شور انگیز' اور 'جدیدیت کل اور آج' سمیت متعدد ایسے آفتاب و ماہتاب وہ اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں جو اردو اور اردو داں طبقہ کے ساتھ ہمیشہ رہے گا۔

نونہالوں کی عملی تربیت کا نبوی طریقہ

ڈاکٹر محمد شاہ جہاں ندوی

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عملی تربیت کے ذریعہ والدین، اساتذہ اور مربی حضرات کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ نابالغ بچے اور بچیوں کی ایسی تربیت کی جائے کہ ان کے اندر نیکی اور بھلائی سے دلچسپی اور برائیوں اور جرائم سے باز رہنے کی رغبت خود بخود پیدا ہو جائے، اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل اور منہیات سے اجتناب میں ان کو دلی مسرت حاصل ہو، اور برائیوں اور غلط کاریوں کی قباحت ان کے ذہن میں اس طرح رچ بس جائے کہ وہ دوسرے کی ماں، بہن، بیٹی کو اپنی ماں، بہن اور بیٹی کی طرح خیال کریں، چنانچہ ایک موقع سے مجلس نبوت میں ایک نوجوان حاضر ہوا، اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: "ائذن لی فی الزنا" (مجھے زنا کی اجازت دے دیجیے) صحابہ کرام اس کی اس بے جا جرأت پر انگشت بدنداں ہو گئے، اور اس کو تنبیہ کرنے لگے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوجوان سے کہا کہ قریب آ جاؤ، وہ آپؐ کے قریب آ گیا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تربیت اور فہمائش کرتے ہوئے کہا کہ کیا تم اپنی ماں کے لیے زنا کو پسند کرو گے؟ اس نے جواب دیا: نہیں، آپؐ نے فرمایا: دوسرے لوگ بھی اسے اپنی ماں کے لیے پسند نہیں کرتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مزید ذہن سازی کرتے ہوئے اس سے فرمایا: کیا تم اپنی بیٹی کے لیے اسے پسند کرو گے؟ اس نے جواب دیا: نہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوسرے لوگ بھی اپنی اپنی بیٹیوں کے لیے اسے پسند نہیں کرتے ہیں۔ زنا کی مزید قباحت اس کے ذہن میں بٹھانے کے لیے آپؐ نے اس سے دریافت کیا: کیا تم اسے اپنی بہن کے لیے پسند کرو گے، اس نے جواب دیا: نہیں، آپؐ نے فرمایا: دوسرے لوگ بھی اپنی اپنی بہنوں کے لیے اسے پسند نہیں کرتے ہیں۔ اس کے دل میں زنا کی شناعت اور سنگینی بٹھانے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مزید دریافت کیا: کیا تم اپنی پھوپھی کے لیے زنا کو پسند کرو گے، اس نے جواب دیا: نہیں، تب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوسرے لوگ بھی اپنی اپنی پھوپھیوں کے لیے اسے پسند نہیں کرتے ہیں، اس کے بعد نبی کریم -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین وسلم- نے زنا کی مزید شناعت کو اس کے ذہن میں بٹھانے کے لیے اس سے سوال کیا: تم اپنی خالہ کے لیے کیا اسے پسند کرو گے؟ اس نے جواب دیا: نہیں، اس کے جواب کو سن کر نبی اکرمؐ نے فرمایا: دوسرے لوگ بھی اپنی اپنی خالہ کے لیے اسے پسند نہیں کرتے ہیں، رسول کریمؐ نے اس کی مزید ذہن سازی کرتے ہوئے فرمایا: جو تم اپنے لیے ناپسند کرتے ہو، اسے دوسرے لوگوں کے لیے بھی ناپسند کرو، اور جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو اسے دوسروں کے لیے بھی پسند کرو، پھر آپؐ نے اپنا دست مبارک اس کے سینہ پر رکھ کر دعا فرمائی: "اے اللہ! اس کے گناہ بخش دے، اس کے دل کو پاک کر دے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہن سازی، ہاتھ سینہ پر رکھنے اور دعا کرنے کی برکت تھی کہ وہ نوجوان تقویٰ و طہارت کا پیکر بن گیا۔ بدنظری اور کسی اجنبیہ خاتون پر نگاہ غلط ڈالنے سے بالکل محفوظ ہو گیا (مسند احمد)

ایک موقع سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، آپؐ نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ان کی تربیت کی، اور ان سے کہا: اے لڑکے! میں تجھے کچھ باتیں سکھاتا ہوں، تم اسے گرہ میں باندھ لو؛ ہمیشہ اللہ عزوجل کو پیش نظر رکھو، وہ تمہاری حفاظت فرمائے گا، اللہ تعالیٰ کو پیش نگاہ رکھو، تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے، اگر کچھ مانگنا ہو تو اللہ ہی سے مانگو، اور اگر مدد طلب کرو، تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرو، اور یہ بات دل میں بٹھا لو کہ اگر تمام لوگ متحد ہو کر تجھے نفع پہنچانا چاہیں، تو وہ تجھے وہی نفع پہنچا سکتے ہیں، جسے اللہ عزوجل نے تمہارے حق میں مقدر کر رکھا ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کے لیے نفع مقدر نہیں کر رکھا ہے، تو پھر ساری دنیا مل کر بھی اسے نفع نہیں پہنچا سکتی ہے، اور اگر سب لوگ مل کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو وہی نقصان پہنچا سکتے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے حق میں مقدر فرما دیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اگر کسی کے حق میں کوئی نقصان مقدر نہیں فرمایا ہے، تو ساری دنیا مل کر بھی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے (مسند احمد)

اگر ان خطوط پر نابالغ لڑکے اور لڑکیوں کی تربیت ہوگی تو وہ خود بھی جرائم سے دور رہیں گے، اور دوسروں کو بھی دور رکھیں گے، وہ خود بھی نیکیوں کی طرف لپکیں گے اور دوسروں کو بھی نیکیوں کی راہ پر گامزن کریں گے۔

بقیہ-بچوں کا ادب: کل، آج اور کل

کچھ ایسی ہی صورتِ حال بچوں کی کہانیوں، ڈراموں اور دوسری اصناف کا بھی ہے۔ آلِ احمد سرور نے لکھا تھا کہ غزل چاول کے دانے پر "**قل ھو اللہ**" لکھنے کا فن ہے، یہی جملہ افسانے کے لیے بھی کہا گیا۔ افسانہ لکھتے ہوئے تخیلات کے گھوڑے دوڑانے اور فلسفہ بگھارنے کا موقع کئی سطحوں پر مل جاتا ہے، لیکن بچوں کی کہانیوں میں عمر کا لحاظ، پسند و ناپسند، جبلی اور نفسیاتی تقاضوں کا دھیان موضوع و مواد اور زبان و بیان کی سطح پر رکھنا ہی نہیں ہوتا بلکہ موضوع کی صحت، لفظوں کی ہم آہنگی اور کہانی کی طوالت کا باریک بینی کے ساتھ مشاہدہ کرنا ہوتا ہے۔ مذکورہ تینوں جگہوں پر کہیں بھی جھول رہ گیا تو یقین جانئے کہ محنت رائیگاں ہوئی۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ بچوں کا ادب بالخصوص کہانی چاول پر "**قل ھو اللہ**" لکھنے کا نہیں بلکہ پوری سُورَت لکھنے کا فن ہے۔

بچوں کی چرند و پرند، پھولوں پھلوں، جنوں پریوں، دیومالائی، طلسماتی اور محیر العقول کرداروں سے گہری وابستگی ہوتی ہے، چنانچہ عصری موضوع و مواد کو ایسے لبادے میں پیش کرنا کہ اس میں مذکورہ خصوصیات پائی جائیں زیادہ سودمند ہوگا اور بچے آسانی کے ساتھ اپنے اردگرد کی چیزوں سے واقف ہو جائیں گے۔ بچوں کی فطرت تجسس والی ہوتی ہے، اس لیے کہانیوں میں حیرت و استعجاب کے عناصر ان کے تخیل کو وسعت سے ہمکنار کر کے ذہن میں کئی طرح کے سوالات اٹھائیں گے، جو بچوں کے سیکھنے کی صلاحیت کو پروان چڑھانے میں یقینی طور پر مثبت ہو سکتے ہیں۔ عصری بساط پر بچوں کا ادب ایسی خصوصیات سے بڑی حد تک عاری دکھائی دیتا ہے۔

اس کے پیچھے کئی وجوہات ہو سکتے ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ادبِ اطفال کے لکھاریوں میں کوئی ایسا چہرہ نہیں، جسے صحیح معنوں میں بچوں کا ادیب کہا جا سکے۔ جو لوگ عصری منظرنامے پر بچوں کے ادیب کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں، جب بچوں کا ادب تخلیق کرتے ہیں تو اپنی ذہنی اور فکری سطح کو بلند ہی رکھتے ہیں۔ وہ اسی سطح سے سوچتے اور لکھتے ہیں، چنانچہ ان کا ادب ہوا میں معلق؛ نہ اِدھر کا ہوتا ہے نہ اُدھر کا۔

دوسری اور اہم بات یہ ہے کہ ہم نے مجرمانہ حد تک اپنے بچوں کو اردو کے حروف بینی سے محروم رکھا ہے، اس لیے روز بروز ننھے قارئین کی تعداد گھٹتی جا رہی ہے۔ چنانچہ ادبِ اطفال کے نام پر جو کچھ بھی لکھا جاتا ہے، وہ کتابوں یا رسالوں کی زینت بنا آنسو بہاتا رہتا ہے۔ ادھر چند سالوں میں انٹرنیٹ پر ننھے قارئین کی تعداد خوش آئند طور پر بڑھی ہے، لیکن یہاں بھی اردو والوں کو مایوسی کا ہی سامنا کرنا پڑتا ہے کہ ننھے قارئین اردو کے ابجد سے واقف نہیں تو ادبِ اطفال کی اچھی سے اچھی اور مفید سائٹ کو کھولنے کی زحمت گوارہ کیوں کریں؟

بچوں کے رسائل میں جو کہانیاں یا دوسرے اصناف پر مبنی تخلیقات چھپتی ہیں، ان کی ضخامت ایسی ہوتی ہے کہ بچے چاہ کر بھی نہیں پڑھتے۔ میں نے چند سال پہلے بچوں کی چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھنے کا تجربہ کیا تھا۔ اسے چھپنے کے لیے بچوں کے ایک بڑے رسالے میں بھیجا، تو جواب ملا کہ یہ بہت چھوٹی کہانی ہے، ہم تو تین سے چار صفحے کی کہانی چھاپتے ہیں، نتیجتاً ایک ساتھ دو کہانیاں چھپیں۔

دوسری زبانوں میں چھوٹی چھوٹی بلکہ ایک سطری کہانی کو کئی صفحوں میں پھیلا کر پیش کی جاتی ہے، ہمیں ان زبانوں کے ادب کو پڑھنا اور اس کی روشنی میں اپنی سوچ کو بدلنا ہوگا۔ پچھلے کئی سالوں سے ادبِ اطفال کو موضوع بنا کر سیمینار ہوئے ہیں۔ مجھے ان کی افادیت سے انکار نہیں، لیکن ان سیمیناروں سے وہ فائدہ نہیں ہوتا، جس کی ضرورت ہے۔ زیادہ اچھا ہوتا کہ سیمیناروں کی جگہ ورکشاپ کا انعقاد کیا جاتا، تاکہ ادبِ اطفال کے تقاضوں اور تصورات کو عملی طور پر جاننے اور سمجھنے کا موقع ملتا۔ موجودہ عہد میں بچوں کے ادب کے تئیں سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے رویے بھی مایوس کُن ہیں۔ ان کے بجٹ کا بیشتر حصہ بڑے بڑے پروگراموں کو منعقد کرنے اور ایسے ہی دوسرے کاموں میں خرچ ہو جاتا ہے، لیکن ان کی نظروں سے بچوں کے ادیب اور ان کا ادب اوجھل ہی رہتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بچوں کے ادب کو اوڑھنا بچھونا بنا لینا چاہیے، میں بس اتنا چاہتا ہوں کہ تھوڑی سی توجہ بھی ادبِ اطفال کے لیے آبِ حیات ثابت ہوگی۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ حال اپنے ماضی کی بنیادوں پر استادہ ہوتا ہے، اسی طرح حال بھی مستقبل کے لیے رسد پہنچانے کا کام کرتا ہے۔ میں بچوں کے ادب کے حوالے سے مستقبل کے بارے میں کیا کہوں کہ آپ کی دانائی کے کیڑے اندرونِ ذات شعلہ ہو رہے ہیں۔

Scanned with CamScanner

قانون کا غلط استعمال

ملک سے غداری سمیت کئی قوانین کے غلط استعمال کو لے کر اٹھ رہی آوازوں کے درمیان سپریم کورٹ کے جج جسٹس ڈاکٹر دھننجے یشونت چندر چوڑ کی جانب سے کیے گئے تبصرے نہ صرف جمہوریت کی بنیاد کو مضبوط بنانے والے ہیں بلکہ ایک مہذب اور روادار معاشرے کی تعمیر کے لیے بھی انتہائی ضروری ہے۔ ہند امریکہ قانونی تعلقات سے متعلق مشترکہ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے جسٹس چندر چوڑ نے کہا کہ اختلاف رائے کو دبانے کے لیے انسداد دہشت گردی سمیت کسی بھی مجرمانہ قانون کا غلط استعمال نہیں کیا جانا چاہئے۔ بلاشبہ خلاف رائے جمہوریت کے بنیادی خصوصیت ہے، لیکن بدقسمتی سے حکمران جماعت جمہوریت کی اس مضبوط بنیاد کو محض اپنی انا اور مفاد کے حصول کی خاطر کمزور کرنے کے لیے طرح طرح کے بہانے تلاش کرتی ہے۔

جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حکومتوں اور ذمہ داروں کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز بری بن جاتی ہے اور آئین کی جانب سے دیے گئے حقوق کا استعمال کر کے حکومتوں کی پالیسی کے خلاف آواز اٹھانے والا ہر شخص حکومتوں کا نہیں بلکہ ملک کا غدار بن جاتا ہے۔ حالیہ برسوں میں ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں بغاوت کے قانون کا جس پیمانے پر غلط استعمال ہوا ہے وہی اس کی تصدیق کے لیے کافی ہے۔ ابھی گزشتہ مہینے ہی ایک سینئر صحافی کے خلاف بغاوت کا مقدمہ درج کرتے ہوئے عدالت عظمی نے قانون کے غلط استعمال پر برہمی کا اظہار کیا۔

جسٹس چندر چور نے ایک اور اہم نکتہ پیش کیا ہے کہ ہماری عدالتوں کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ شہریوں کی آزادی کے تحفظ کے لیے پہلی صف میں کھڑی ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی بھی جمہوری ملک میں لوگ عدالت سے ہی انصاف کی آخری درخواست کرتے ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ ہندوستان کے سب سے باوقار ادارے مانی جانی والی عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹانے سے قبل ایک عام شہری ہزار بار سوچتا ہے کہ پتہ نہیں اس کی بات عدالت میں سنی جائے گی یا نہیں۔ یومیہ کمانے والے مزدوروں کے پاس نہ پیسے ہیں اور نہ ہی وقت، وہ عدالتی کارروائی میں ہو رہی تاخیر کی داستانیں سن سن کر حوصلہ کھو دیتے ہیں۔ جسٹس چوڑ نے کہا کہ خود عدلیہ کو بھی ایسے انتظامات کرنے ہوں گے کہ مظلوم اور غریب عوام کو جلد سے جلد انصاف ملے۔ قانون کی حکمرانی کو برقرار رکھنے کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ نفاذ کرنے والے ادارے پیشہ وارانہ شفافیت کا استعمال کریں۔

امریکی نظام کی تازہ مثال سامنے ہے نسل پرستوں کی تمام طاقتوں اور تعصبات کے باوجود اس نظام نے سیاہ فام شہری جارج فلائیڈ کے قاتل ایک سفید فام پولیس اہلکار کے خلاف ایک سال کے اندر سزا سنادی اس کے برعکس ہندوستان میں کچھ دن پہلے ہی خود ہائیکورٹ نے حیرت کا اظہار کیا تھا کہ لوگوں کے خلاف اس قانون کے تحت مقدمہ درج کیا جا رہا تھا جسے اس نے 6 سال قبل منسوخ کر دیا تھا بدقسمتی سے، آئی ٹی ایکٹ کی اس دفعہ کے خلاف بھی یہی الزام تھا کہ اختلاف رائے کو دبانے کے لئے اس کا غلط استعمال کیا جا رہا ہے ایسے حالات ہمارے نظام میں ہم آہنگی کی کمی اور انتظامی اصلاحات کے سلسلے میں مسلسل بے حسی کا باعث ہیں۔ برطانیہ نے نوآبادیاتی دور سے بغاوت کا جو قانون چھین لیا تھا، ہم آج بھی اسے لے رہے ہیں، کیونکہ حکومتیں اسے اپنے مخالفین سے نمٹنے کے لیے ایک موثر ہتھیار کے طور پر دیکھتی ہیں۔ جسٹس چوڑ نے بجا طور پر کہا کہ امریکہ کی طرح ہندوستانی آئین کو بھی انسانی حقوق پر گہرا اعتماد ہے۔ اس وسیع جمہوریت کا وقار عام لوگوں کی آزادی اور تیز انصاف سے ہی بحال ہوگا انتقامی کارروائی سے اختلاف رائے کی آواز کو دبانے سے نہیں۔ **(اداریہ روزنامہ سالار بنگلور)**

بقیـــات

(بقیہ جنگ آزادی میں مسلمانوں کا کردار)

پورے ملک میں خلافت تحریک اس طرح چھا گئی کہ اس کے فلک شگاف نعروں کے سامنے دوسری کوئی آواز دور دور تک سنائی نہیں دیتی تھی، غرضیکہ خلافت تحریک ایک زلزلہ افگن اور ہولناک طوفان کی طرح ہندوستان میں ابھری، مسلمانوں میں غیرت وحمیت کا جاگ اٹھی اور مادر وطن کی حرمت وعزت بچانے کے لیے سر سے کفن باندھ کر جدوجہد آزادی کے میدان میں اتر چکے تھے، انگریزوں کے اسکولوں اور ان کی کچہریوں کا بائیکاٹ کیا گیا، ہر گاؤں میں الگ پولیس، پڑھانے کا نظم اور پنچایتیں قائم کی گئیں۔

اسی ۱۹۱۹ء میں مسلمانوں کی ایک اور تحریک اور جماعت وجود میں آئی جو جنگِ آزادی میں مسلمانوں کی قیادت ورہنمائی کی ذمہ داری سنبھالنے لگی، اس کا نام "جمعیۃ علماء ہند" رکھا گیا، اس کے بانی وہی علماء کرام کے سرخیل جماعت تھی جنہوں نے شروع ہی سے تحریک آزادی کو اپنا مقصد حیات بنایا ہوا تھا، مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا داؤد غزنوی، مولانا محمد صادق کراچی، مولانا آزاد سبحانی ے مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی وغیرہ نے اس تحریک کو پروان چڑھایا، بدیسی مال کا بائیکاٹ کیا اور دیسی کپڑے کا رواج دیا، اس سلسلہ میں جوش وجذبہ کا یہ عالم تھا کہ چوراہوں پر ولایتی کپڑوں کے انبار لگا کر ان میں آگ لگادی جاتی تھی اور لوگ اپنے کپڑے اتار اتار کر اس آگ میں جھونکتے تھے۔ ان تحریکوں نے سیاسی شعور اور عوامی بیدار کی وہ لہر پیدا کی تھی کہ اس سے قبل یہ دیکھنے میں نہیں آئی، یہ سیاسی بیداری آگے چل کر بڑھتی ہی رہی، بیس برس کے بعد ۱۹۴۲ء میں ہنگامہ خیز داستان پر جا کر پایۂ تکمیل کو پہنچی، جس نے برطانوی حکومت کو اس قدر خوف زدہ کر دیا کہ لندن سے پے درپے مشن آنے لگے اور مسلمانوں کے غصہ کو ٹھنڈا کیا جانے لگا، ہندوستان میں ابھی تک تعلیم یافتہ اور اونچا طبقہ تھرتھراتے ہونٹوں اور لڑکھڑاتے ہونٹوں کے ساتھ آزادی کی بھیک مانگ رہا تھا، ان تحریکوں نے ہندوستانیوں کے تیور بدل دیے، اس نے غیرت وخودداری کا جوہر پیدا کر دیا، تحریک خلافت کے بعد محمد علی نے انگریزوں کے پایۂ تخت، لندن میں گرج کر کہا تھا۔

"میں غلام ہندوستان میں واپس نہیں جاؤں گا، میں یہاں سے اس وقت لوٹوں گا، جب میرے ہاتھ میں ہندوستان کی آزادی کا پروانہ ہوگا اور اگر تم مجھے آزادی کا پروانہ نہیں دے سکتے تو میرے لیے اسی سرزمین میں ایک قبر کی جگہ تو دینی ہی پڑے گی" یہ کامل آزادی کا پہلا نعرہ تھا، محمد علی جوہر اور خلافت تحریک کے رہنماؤں نے مرعوبیت اور خوف ودہشت کے اس دور میں نعرۂ حق بلند کر کے ہندوستانیوں کے دلوں میں حریت وآزادی، جرأت وبیباکی کی آتشِ سیال بھر دی تھی اور یہ جوش وجذہ کی آگ اس وقت تک دہکتی رہی جب تک کہ ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو حریت وآزادی کا ابرنیساں ہندوستان پر ٹوٹ کر نہ برسا؛ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ۱۹۲۵ء تک جدوجہد آزادی کی جرأتمندانہ قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی اور پورا ہندوستان اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

بہرحال جنگِ آزادی کے تمام مراحل میں مسلمانوں کے کردار کو بالکل نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، مسلمانوں نے ہر موقع پر آزادی ہند کے لیے اپنی جانی اور مالی ہر طرح کی قربانی پیش کرنے سے بالکل دریغ نہیں کیا؛ لیکن جب ہندوستان آزاد ہوا، تو اب یہ کہا جا رہا ہے کہ ہندوستان مسلمانوں کا نہیں، پھل تو کوئی اور لگائے اور اس کا پھل کوئی اور کھائے کے مصداق آج ہندوستان کا مسلمان اپنے ملک میں اپنے حق کو مانگنے پر مجبور ہے، جدوجہد آزادی کی اس مختصر تاریخ کو اس لیے بیان کیا گیا کہ مسلمانوں کو یہ پتہ چلے کہ آزادئ ہند کی جدوجہد میں مسلمانوں کا کردار برادران وطن کے مقابلہ میں بہت اونچا اور بہت شاندار ہے، وہ اپنے حقوق کے مطالبہ کے لیے کسی بھی طرح پس وپیش نہیں کریں گے، اپنے ملک میں کھلی آزادی کے ساتھ برابر اپنے آئینی حقوق کا مطالبہ کرتے ہوئے جیئے گے؛ لیکن ایک تلخ حقیقت یہ بھی ہے کہ ہندوستان کی آزادی کو ۷۳ر سال کا عرصہ ہو چکا ہے؛ لیکن مسلمانوں کو آج تک اس ملک میں برابر کے حقوق نہیں دیئے گئے؛ بلکہ ان کو ہمیشہ یکا وتنہا کرنے کی کوشش کی گئی، کچھ فرقہ وارانہ جماعتوں نے تو ان پر دہشت گردی وغیرہ کے الزامات کے ذریعہ ان کو اپنے ملک میں خوف زدہ کرنا شروع کر دیا یا تو تاریخ پر صحیح نظر نہ ہونے کی وجہ سے وہ یہ مسلمانوں کے یہ ساتھ سوتیلا سلوک کرتے ہیں، یا ان کے دل میں پوشیدہ تعصب اور فرقہ واریت کا زہر ہے جو وہ مسلمانوں کے خلاف اگلتے رہتے ہیں۔ اس شعر کے مصداق اس وقت مسلمانوں کی حالت کر دی گئی ہے۔

جب پڑا وقت گلستان پہ تو خون ہم نے دیا
جب بہار آئی تو کہتے ہیں ترا کام نہیں

(بقیہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور تحریک مدارس)

دارالعلوم کی بنیاد

حضرت نانوتویؒ کی سسرال دیوبند کے محلہ دیوان میں تھی، اس لئے اکثر یہاں تشریف آتی رہتی تھی۔ حضرت مولانا ذوالفقار علیؒ، حضرت مولانا فضل الرحمٰنؒ اور حضرت حاجی عابد حسینؒ بھی اس سلسلے میں فکرمند تھے۔ حضرت والا ان کے ساتھ بیٹھ کر اکثر اسی درد کا تذکرہ کرتے اور اس کی دوا کی تلاش فرماتے۔ ان پاکیزہ اور قدسی صفات بزرگوں نے یہ طے فرمایا کہ مسلمانوں کے دینی شعور کو بیدار رکھنے کے لئے ایک دینی وعلمی درسگاہ کا قیام ہونا چاہئے اور دہلی کے بجائے دیوبند میں ہونا چاہئے تاکہ انگریز اس عظیم مہم کا احساس نہ کرسکیں۔

اس تاریخی فیصلے کے بعد اس تاریخی، دینی مدرسہ کا قیام ۱۵ر محرم ۱۲۸۳ء مطابق ۳۰ر مئی ۱۸۶۶ء کو چھتہ کی مسجد کے صحن میں درختِ انار کے سائے میں انتہائی سادگی کے ساتھ کسی رسمی تقریب یا نمائش کے بغیر عمل میں آیا، استاذ بھی محمود شاگرد بھی محمود۔ یہی شاگرد بعد میں "شیخ الہند" کے نام سے معروف ہوئے۔

دارالعلوم بقاء اسلام اور تحفظ علم کا ذریعہ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے مرشد اور جماعت دیوبند کے روحانی پیشوا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو مکہ مکرمہ میں اس مدرسہ کے قیام کی اطلاع دی گئی تو فرمایا کہ "سبحان اللہ! آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے؟ یہ خبر نہیں کہ کتنی پریشانیاں اوقات سحر میں سربسجود ہو کر گڑگڑاتی رہیں کہ خداوندا! ہندوستان میں بقائے اسلام اور تحفظ علم کا کوئی ذریعہ پیدا کر۔ یہ مدرسہ ان ہی سحرگاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے"۔

اسلامی حکومت میں مدارس کے لئے حکومت کی جانب سے اوقاف مقرر ہوتے تھے۔ اسی طرح والیانِ ریاست اور امرائے حکومت بھی پوری فیاضی کے ساتھ مدارس کے اخراجات پوری فرماتے تھے۔ مگر اب نہ اسلامی حکومت رہی اور نہ ہی والیانِ ریاست۔ اس لئے اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ آئندہ متحدہ ہندوستان میں بچوں کی تعلیم کا نظم کیا ہو۔ یہ وہ سوال تھا جس سے عقلاء، دانشوران حیران وپریشان تھے لیکن قربان جایئے مرد درویش عارف باللہ حضرت نانوتویؒ پر کہ انہوں ایک نئی اور عجیب وغریب راہ نکالی کہ یہ نظام عوامی چندہ کا ہوگا، جس میں نہ حکومت کی مالی امداد شامل ہوگی اور نہ جاگیرداروں کی۔ ان کی دوررس نگاہ دیکھ رہی تھی کہ اسی صورت سے مدارس کو سرکاری اثرات سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے جو آپ کے اصول ہشت گانہ سے ظاہر ہے۔

اعلان مفقود الخبری

معاملہ نمبر ۴ر ۲۹۲۹ر ۱۴۴۲ھ

(متدائرہ دارالقضاء امارت شرعیہ انجمن اسلامیہ کشن گنج)

روزی بیگم بنت محمد خیرالدین مقام مٹنگر ماری ڈاکخانہ گاچھ پاڑہ تھانہ وضلع کشن گنج۔ فریق اول

بنام

مولانا عبداللہ ولد ثمیر الدین مرحوم معرفت شاہ جمال مقام دیونا کوالی گچھ ڈاکخانہ گوالپوکھر ضلع اتر دیناجپور۔ فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ فریق دوم کے خلاف دارالقضاء انجمن اسلامیہ کشن گنج میں عرصہ تقریبا ڈیڑھ سال سے غائب ولاپتہ ہونے، نان ونفقہ نہ دینے اور جملہ حقوق زوجیت ادا نہ کرنے کی بنیاد پر نکاح فسخ کئے جانے کا دعویٰ دائر کیا ہے، اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں فورا اپنی موجودگی کی اطلاع دیں اور آئندہ تاریخ ساعت ۲۱ر محرم الحرام ۱۴۴۳ھ مطابق ۳۰ر اگست ۲۰۲۱ روز سوموار بوقت ۹ر بجے دن آپ خود مع گواہان وثبوت مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں حاضر ہو کر رفع الزام کریں۔ واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے یا کوئی پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ ہذا کا تصفیہ کیا جاسکتا ہے۔ فقط۔ قاضی شریعت۔

Scanned with CamScanner

طب وسائنس

ماحولیاتی آلودگی اور صحت

سجاد ضیغم

سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں ہونے والی بے پناہ ترقی 'مختلف النوع ایجادات' گوناگوں تحقیقات اور انتہائی مفید کیمیائی اور حیاتیاتی دریافتوں سے انسان نے اپنے لائف اسٹائل کو ماضی کے مقابلے میں بہت بہتر اور آسان بنالیا ہے لیکن معیار زندگی کو بہتر بنانے کی ان انسانی کاوشوں کے قدرتی ماحول پر انتہائی بھیانک اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ماحول کے آلودہ ہونے کا منطقی نتیجہ مختلف خوفناک اور مہلک بیماریوں اور گلوبل وارمنگ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ماحولیاتی آلودگی کی سب سے بڑی وجہ صنعتکاری کا فروغ، جنگلات کا خاتمہ، شہروں کا بہت زیادہ بڑھنا، اسی طرح غذائی اجناس کی کمی پوری کرنے اور فصلوں کی پیداوار بڑھانے کیلئے کھادوں، کیڑے مارادویات، جڑی بوٹیوں کوتلف کرنے والی ادویات اور اسپرے کا استعمال ہے۔آلودگی کی مختلف اقسام ہیں مثلاً زمینی آلودگی، آبی آلودگی، ہوائی آلودگی اور شور کی آلودگی وغیرہ۔آلودگی خواہ کسی بھی قسم کی ہو،اس سے انسانی صحت اور قدرتی ماحول بہت بری طرح متاثر ہو رہے ہیں۔مثال کے طور پر شور کی آلودگی،طبیعتوں میں چڑچڑاپن، سردرد، تھکاوٹ، ڈیپریشن اور بہرے پن کا موجب بن رہی ہے۔

اسی طرح زراعت میں استعمال ہونے والی کیڑے مارادویات کی وجہ سے زمینی پانی کے ساتھ ساتھ پینے کا پانی بھی آلودہ ہورہا ہے۔نائٹریٹس جو کھادوں سے پانی میں شامل ہوتے ہیں وہ شیرخوار بچوں میں خون کی کمی کی مہلک بیماری کا سبب بن رہے ہیں۔کیڑے مارادویات کے علاوہ بھاری دھاتیں مثلاً مختلف انڈسٹریز کے فضلے، گاڑیوں کے دھوئیں اور سیوریج کا گندے پانی سے پانی اور زمین اور فضاء میں شامل ہوکر نہ صرف ان کوآلودہ بنارہے ہیں؛ بلکہ ہماری فصلوں کو بھی متاثر کررہی ہیں۔جب یہ فصلیں انسان کھاتا ہے توان فصلوں میں شامل دھاتی اجزامعدے، جگراور گردوں کوشدید نقصان پہنچاتے ہیں۔جب جسم کے اندران دھاتوں کی مقدار بڑھتی ہے تواس سے جسم کی قوت مدافعت کم ہونے سے مختلف بیماریوں کے پھیلنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ان میں سے کچھ بیماریاں دماغ کو بری طرح متاثر کرتی ہیں مثلاً پانی میں سیسے (Lead) کے ذرات بچوں میں دماغی بونہ پن کی بیماری کا باعث بنتے ہیں۔

اسی طرح مختلف صنعتوں اور گاڑیوں سے سلفر، کاربن اور نائٹروجن کے مرکبات کے اخراج سے فضائی آلودگی میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے۔ فضائی آلودگی کی وجہ سے انسانوں میں تنفس کی بیماریاں دمہ، ٹی بی اور الرجی پھیل رہی ہے۔

یو۔این۔او کے ایک ذیلی ادارے کے تحقیقی سروے کرنے والے ماہرین کی ٹیم کے ایک جائزے کے مطابق دنیا میں ہرسال تین ملین لوگ صرف فضائی آلودگی کی وجہ سے مرجاتے ہیں۔اس کے علاوہ فضائی آلودگی کے سبب پیدا ہونے والی تیزابی بارش کی وجہ سے پودوں، جانوروں حتیٰ کہ انسان کی شاہکار تعمیرات مثلاً تاج محل آگرہ کو بھی نقصان پہنچ رہا ہے۔ ماہرین کے مطابق گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج کی وجہ سے گلوبل وارمنگ میں اضافے سے روئے زمین پر پائے جانے والے تمام جانداروں کوشدید خطرات لاحق ہیں۔

آج کے دور میں پیدا ہونے والے بچے ماحولیاتی تبدیلی کے نقصانات سے محفوظ نہیں ہیں، بچوں کو پیدائش کے ساتھ ہی ماحولیاتی تبدیلی کے سبب صحت سے جڑے کئی مسائل اور نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔آج درجہ حرارت ماضی کے مقابلے بڑھ چکا ہے جس سے گرمی میں اضافہ ہوا ہے۔ اس دنیا میں آکر بچوں کو غذائی قلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔مختلف بیماریاں ان کے تعاقب میں رہتی ہیں۔دنیا سیلابوں اور ہرسال بڑھتی گرمی کے خطرات سے دوچار ہے۔اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آج کے دور کا ہر بچہ پیدائشی طور پر ماحولیاتی تبدیلیوں سے مکمل طور پر محفوظ ہے۔برطانوی خبررساں ادارے، 'رائٹرز' کے مطابق، 'دی لانسیٹ' نامی میڈیکل جریدے میں شائع ہونے والی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ماحولیاتی تبدیلیوں سے پہلے ہی انسانوں کی صحت پر برے اثرات پڑرہے ہیں جبکہ بیماریوں کی تعداد بھی بڑھتی جارہی ہے۔اگر فضائی آلودگی اور موسمیاتی تبدیلی کوکنٹرول کرنے کے لیے اب بھی کچھ نہ کیا گیا تو اس کے اثرات پوری نسل کو بیماریوں کی لپیٹ میں لے سکتے ہیں۔واٹسن کا کہنا ہے کہ ماحولیاتی تبدیلی اور فضائی آلودگی سے بچوں کی جسمانی نشوو نما اور قوت مدافعت کا نظام پوری طرح متاثر ہورہا ہے۔محققین کا کہنا ہے کہ آب وہوا کی تبدیلی سے سب سے زیادہ خطرات صحت کو لاحق ہیں۔اچھی صحت کے لیے صاف ایندھن استعمال کرکے آلودگی سے پاک ماحول ضروری ہے۔عالمی ادارہ صحت کے مطابق دنیا بھر میں فضائی آلودگی اوراس سے جڑی بیماریوں کے سبب سات لاکھ اموات ہوئیں۔ہلاک ہونے والوں کی اکثریت کا تعلق کم اور درمیانی آمدنی کے حامل ممالک سے تھا۔

ہفتۂ رفتہ

راشد العزیری ندوی

آنے والا وقت 1991 کے بحران سے زیادہ سخت ہوگا:منموہن سنگھ

سابق وزیراعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ نے کہا ہے کہ تین دہائی قبل ملک کے سامنے جومعاشی بحران تھا،اسی کے سبب شروع ہوئے لبرلائزیشن کے عمل کے بعد ملک نے قابل لحاظ معاشی ترقی حاصل کی،لیکن آنے والے وقت،زیادہ سخت ہے لہٰذا یہ وقت خوشی اور جشن کا نہیں، بلکہ سامنے کھڑے چیلنجز سے نمٹنے کے لیے خوداحتسابی کا ہے۔ڈاکٹر سنگھ نے ملک میں تین دہائی قبل شروع کیے گئے معاشی اصلاحات کے 30 سال مکمل ہونے پر جاری ایک بیان میں کہا کہ '30 سال پہلے 1991 میں کانگریس پارٹی کی قیادت میں ملک نے معیشت میں اصلاحات کی اہم شروعات کرکے نئی معاشی پالیسی شروع کی۔اس کے بعد کی حکومتوں نے مسلسل ملک کوتین کھرب ڈالر کی معیشت کی طرف لے جانے کے لیے جوراہ تیار کی گئی تھی اس پر مسلسل پیش رفت کی ہے۔انہوں نے کہا کہ مسلسل آگے بڑھنے والی ہماری معیشت کوکووڈ-19 وبا نے تباہ کیا ہے اوراس سے ہمارے ملک کے کروڑوں باشندوں کوشدید نقصان ہوا ہے۔اس کے سبب ملک،صحت اور تعلیم کے شعبے میں پچھڑ گیا ہے اور لاتعداد افراد کے سامنے روزی-روٹی کا بحران پیدا ہوگیا ہے۔

عوامی نمائندے قانون کے دائرے سے باہر نہیں: سپریم کورٹ

سپریم کورٹ نے 2015 میں کیرالہ قانون ساز اسمبلی میں بجٹ کے دوران ہنگامہ آرائی اور تخریب کاری کرنے والے چھ بائیں بازو کے ایم ایل اے کے خلاف مقدمہ واپس لینے کا مطالبہ کرنے والی کیرالہ حکومت کی درخواست مسترد کردی ہے۔عدالت نے کہا کہ عوامی نمائندے قانون کے دائرے سے باہر نہیں ہیں۔یہ معاملہ 13 مارچ 2015 کا ہے جب کیرالہ اسمبلی میں بائیں بازو کے اراکین اسمبلی نے اس وقت کے وزیر خزانہ اے کے ایم منی کو ریاستی بجٹ پیش کرنے سے روکنے کی کوشش کی تھی۔منی بار رشوت اسکینڈل کے الزامات کا سامنا کررہے تھے۔ہنگامے کے دوران اسپیکر کے پوڈیم کے پاس رکھے ہوئے کمپیوٹر، کی بورڈ اور مائک کو بھی نقصان پہنچایا گیا تھا۔

ممتابنرجی نے فون ٹیپنگ معاملے کی جانچ کے لئے کمیشن کی تشکیل کی

مغربی بنگال کی وزیراعلیٰ ممتابنرجی نے کابینہ کی اہم میٹنگ میں پاپیگاسس وائرس کے ذریعہ ملک بھر کے لیڈروں، ججوں ،صحافیوں کی ہوئی فون ٹیپنگ کے معاملے کی جانچ کے لئے کمیشن کی تشکیل کی فیصلہ کیا ہے۔کابینہ کی میٹنگ کے بعد ریاستی سکریٹریٹ میں میڈیا سے مخاطف ہوکر بنرجی نے خود یہ معلومات دی۔ان کے اس فیصلے کیساتھ ہی مغربی بنگال بھارت کا پہلا ایسا صوبہ بن گیا ہے جواس کیس کے خلاف جانچ کمیشن کی تشکیل کررہا ہے۔دوججوں کی صدارت میں کمیشن کی تشکیل کی جارہی ہے۔کلکتہ ہائی کورٹ کے دورکنی جسٹس کی صدارت میں جانچ کمیشن کی تشکیل کی گئی ہے۔ممتابنرجی نے کہا کہ پیگاسس کے نام پر کورٹ سے لے کر تمام کونظر بند کرکے رکھا گیا ہے۔انہیں یقین تھا کہ مرکزی حکومت جانچ کرے گی۔لیکن سرکار نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔کلکتہ ہائی کورٹ کے سابق جسٹس جوتیرے بھٹاچاریہ اور جسٹس مدن بھیم راؤ لوکر کی قیادت میں جانچ کمیشن کی تشکیل کی گئی ہے۔قابل ذکر ہے کہ پہلے ممتابرجی نے سپریم کورٹ سے درخواست کی تھی کہ وہ اسپائی ویئر کا استعمال کرکے لیڈروں، کارکنان، صحافیوں وغیرہ کونشانہ بنانے والے مبینہ جاسوسی معاملے کا نوٹس لے۔ممتابنرجی نے کہا کہ ان کی اپیل کے بعد بھی مرکزی حکومت نے کوئی فیصلہ نہیں لیا ہے اس کے سبب انہیں مجبور ہوکر یہ فیصلہ لینا پڑا ہے۔ممتابنرجی نے کہا کہ ہمارے فون ٹیپ کئے جارہے ہیں۔نہ صرف ٹیپ کئے جارہے ہیں یہ ایک ریکارڈر کی طرح ہے۔انہوں نے کہا تھا کہ پیگاسس خطرناک ہے۔وہ رکن پارلیمنٹ ابھیشیک بنرجی اور پرشانت کشور (الیکشن پالیسی ساز) کی جاسوسی کررہے ہیں۔اس لئے میں نے اپنے فون کو پلاسٹر کردیا ہے۔

ایم ایل اے خرید وفروخت معاملے میں ہائیکورٹ میں درخواست

جھارکھنڈ میں ایم ایل اے خرید وفروخت معاملے کولے کرہائی کورٹ میں ایک پی آئی ایل دائر کی گئی ہے۔عرضی گزار نے اس پورے معاملے کی سی بی آئی سے جانچ کرانے کیلئے کورٹ سے حکم جاری کرنیکی مانگ کی گئی ہے۔ہائی کورٹ میں پٹیشن دائر کرنے والے سماجی کارکن پنکج یادو نے کہا کہ جھارکھنڈ کے معزز (ایم ایل اے) عوام کے ووٹ کو پیسوں کے لئے فروخت کردیتے ہیں۔یہ رائے دہندگان کے آئینی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔یادو نے اپنی درخواست میں یہ بھی بتایا ہے کہ سن 2005 سے، جھارکھنڈ مسلسل ہارس ٹریڈنگ کا مرکز رہا ہے۔ایم ایل اے ہمیشہ حکومت سازی اور راجیہ سبھا انتخابات میں اپنے آپ کو بیچتے رہے ہیں۔ہارس ٹریڈنگ کے معاملے میں اب بھی آدھے درجن سے زیادہ ایم ایل اے پھنسے ہوئے ہیں۔جھارکھنڈ کے عوام نے ہمیشہ ایم ایل اے کے اس عمل سے دھوکہ دہی کا احساس کیا ہے۔ انہوں نے پی آئی ایل میں یہ الزام لگایا ہے کہ خود کوفروخت کرنے والے ایم ایل اے اور خریدنے والی پارٹی کے خلاف سخت کارروائی کی جانی چاہئے۔معاملہ بین ریاستی ہے،اس میں دہلی اور مہاراشٹر اور یوپی کا نام بھی لیا جارہا ہے۔اس لئے سی بی آئی انکوائری ضروری ہے۔منی لانڈرنگ کا معاملہ بھی ہے۔درخواست گزار نے کہا کہ جوبھی اس معاملے میں کنگ پین ہے،اس پر بغاوت اور حکومت کوغیر مستحکم کرنے کا مقدمہ درج کیا جانا چاہئے۔اگر اپوزیشن کی طرف سے الزام عائد کیا گیا ہے کہ اگر اس واقعہ میں حکمراں جماعت کا کوئی پروپیگنڈہ ہے تو پھر اسے بھی بےنقاب کرنا چاہئے۔

دہلی پولیس کمشنر راکیش آستھانا کی تقرری کے خلاف دہلی اسمبلی میں قرارداد پاس، سیاست تیز

دہلی میں بی جے پی اور عام آدمی پارٹی کے درمیان رسہ کشی چل رہی ہے۔معاملہ دہلی پولیس کمشنر راکیش آستھانا کی تقرری کو لے کر سامنے آیا ہے، عام آدمی پارٹی نئے کمشنر بنائے گئے راکیش آستھانا کی تقرری کی مخالفت کررہی ہے اور بی جے پی دہلی کے صدر آدیش گپتا نے راکیش آستھانا کی تقرری کا خیرمقدم کرتے ہوئے پریس ریلیز تک جاری کردیا۔دراصل یہ تنازعہ اس وقت مزید طول پکڑ گیا جب دہلی اسمبلی میں راکیش آستھانہ کی پولیس کمشنر کے طور پر تقرری کے خلاف قرارداد دہلی اسمبلی میں منظور کی گئی۔تفصیلات کے مطابق دہلی کی برسراقتدار عام آدمی پارٹی کی حکومت نے راکیش استھانہ کو دہلی پولیس کا کمشنر مقرر کرنے پر طنز کرتے ہوئے کہا کہ یہ اقدام اس کے رہنماؤں کو ہراساں کرنے کے لئے اٹھایا گیا ہے۔

Volume:61/71,Issue:30 Printed & Published by Sohail Ahmad Nadwi, on behalf of Imarat Shariah Phulwari Sharif, Patna, Printed at Azimabad Printers, R.C.F./105, Ground Floor, B.H. Colony, Bhootnath Road, Kankarbagh, Patna-800026 and Published from Naqueeb Office Imarat Shariah, Phulwari Sharif, Patna-801505, Editior: (Mufti) Mohammad Sanaul Hoda (Quasmi)

Scanned with CamScanner

LEADING URDU JOURNAL OF IMARAT SHARIAH
BIHAR ODISHA & JHARKHAND
NAQUEEB WEEKLY
PHULWARI SHARIF, PATNA-801505
SSPOS PATNA Regd.No.PT 14-6-21-23
R.N.I.N.Delhi,Regd No-BIHURD/4136/61

تم نے مڑکر بھی نہیں دیکھا
کس کی کشتی تباہ ہوتی ہے
(معجز سنبھلی)

نظام حکومت ہندوستانی منشور کی روح سے خالی

مولانا عبدالقدوس قاسمی

پندرہ اگست کی تاریخ ہر سال آتی ہے، ملک کے چپہ چپہ میں نیز سرکاری سطح پر لال قلعہ میں جشن آزادی کی تقریب کے اہتمام اور گونا گوں پروگراموں کا انعقاد ہوتا ہے۔ لال قلعہ وہ تاریخ ساز اور یادگار جگہ ہے جہاں سے ہندوؤں اور مسلمانوں نے جنگ آزادی کا بگل بجایا تھا اور مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کی قیادت میں ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہوکر غیر ملکی انگریز حکمرانوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنے کی قسم کھائی تھی، اپنی اس قسم کو نبھاتے ہوئے ہزاروں ہندوستانی لال قلعہ کی فصیل پر پھانسی پر چڑھ گئے۔ لال قلعہ کا چپہ چپہ اس بات کا گواہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران یہاں کی مٹی میں ہزاروں مجاہدین آزادی کا خون بہہ کر جذب ہوا۔ بہادر شاہ ظفر کے صبر واستقلال کی داد دیجئے کہ جس وقت ان کے لڑکوں کا سر قلم کر کے ان کے روبرو پیش کیا گیا اس وقت انہوں نے بے ساختہ کہا: الحمد للہ تیمور کی اولادیں اسی طرح سرخرو ہوکر اپنے باپ کے سامنے آیا کرتی ہیں۔ بہادر شاہ ظفر کا تاریخی واقعہ پوری قوم کے لئے سبق آموز ہے، جنہوں نے غلامی کی زنجیروں کو توڑ ڈالنے کے لئے ہر قسم کی قربانی کا عزم مصمم کیا تھا، لال قلعہ مشترکہ ثقافت اور متحدہ قومیت کا مظہر تھا آج بھی یہاں تقریب آزادی کے جشن میں پورا ملک جمع ہوکر ہر سال پندرہ اگست کو اس آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے حلف لیتا ہے۔

ملکی آزادی کا دردناک پہلو: اگر تاریخی تناظر کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت طشت از بام ہو جائے گی کہ برطانوی سامراج کا تاج ہندوستانیوں کا دشمن تھا، جس کے نقشہ میں ابتداء ہی سے ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکے بعد دیگرے لڑانے بھڑانے کا مقصد سے آتشیں مادے اور بارود موجود تھے، سامراجی عہد میں اس کے اثرات جا بجا دیکھے جاتے تھے، چنانچہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے ملے جلے کلچر اور ان کی متحدہ قومیت میں شگاف پیدا کرنے کے لئے ہندوستان کی تقسیم ہوئی، آزادی سے پہلی شام کو اور اس کے بعد لوگ وسیع پیمانے پر ہلاک ہوئے جن کے مالوں، جانوں اور عزتوں کا اتلاف ہوا، لوٹ مار، اغوا کاری، عصمت دری، قتل وجارحیت اور خون خرابہ کا ماحول اپنے شباب پر تھا، ہندو مسلم اتحاد کی علامت مہاتما گاندھی نے پندرہ اگست کی تقریب میں شریک ہونے سے انکار کردیا اور وہ کلکتہ چلے گئے، جہاں فرقہ وارانہ جنون پھوٹ پڑا تھا، بہر کیف گاندھی جی اس صورتحال سے سخت کبیدہ خاطر تھے، کیوں کہ انہوں نے زندگی بھر جس چیز کی تلقین کی تھی یعنی عدم تشدد کی اسے بہت دھکا لگا، تقسیم کے نتیجہ میں خونی فسادات کی خوفناک لہر دوڑ گئی تھی جن کے خلاف گاندھی جی نے مرن برت رکھا اور نظم ونسق کے ذمہ داروں کو بیدار کرنے کی کوشش کی، تاکہ امن وانتظام کی بحالی ہو سکے، گاندھی جی کو اس کا صلہ یہ ملا کہ پونہ کا ایک برہمن ناتھورام گوڈسے نے اپنی گولیوں سے ان کو ہمیشہ کے لئے سلا دیا۔ فاشزم کا مندرجہ بالا حادثہ قتل آزادی ہند کے ساتھ ہی اس امر کا اعلان ہے کہ آزاد ہندوستان میں ایک مخصوص طبقہ کی نسل شاہی والا نظریہ سربلند رہے گا۔ جو ایک خواب ہے۔

فاشزم کو کھلا چیلنج: ہم فاشزم کو کھلا چیلنج دیتے ہیں کہ فاشزم ڈھائی ہزار سالہ مدت میں کبھی بھی کامیاب نہ ہوا اور نہ ہی اس کے پاس متحدہ ہندوستان کا اساسی تصور ہے کہ وہ کامیاب ہو سکے گا۔ وہ ایسی امت مسلمہ سے دشمنی مول لے رہا ہے جس کا تاریخی کردار ہندوستان کی جغرافیائی وحدت وسالمیت کے لئے رہنما اصول کی حیثیت سے ہے۔ مسلم عہد کا تاریخی تسلسل، فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور خیر سگالی کے جذبوں کا آئینہ دار رہا ہے، امت مسلمہ کا قافلہ اولیں جس وقت ہندوستان فاتحانہ شان سے پہنچا اگر چہ وہ نیا نیا یہاں پہونچا تھا تعداد کے اعتبار سے اس کی کوئی حیثیت نہ تھی، معمولی قسم کا تحفظ بھی اسے حاصل نہ تھا اس وقت اس نے موثر اور قائدانہ رول ادا کیا تھا اور مشترکہ ثقافت اور متحدہ قومیت کی قدروں کو غالب کیا تھا جس کے آثار قدیمہ تاریخی دستاویزات اور پرانے کھنڈرات گواہ ہیں۔

اولین مسلم قافلہ کی آمد کے وقت کا تمدن: اس وقت کے ہندوستانی سماج ورن آشرم فلسفہ کے مطابق ذات پات کی تفریق میں مبتلا تھا، برہمن، چھتری، ویش اور شودر کے طبقوں میں بٹا ہوا تھا، برہمنوں کے لئے نسلی برتری مخصوص تھی جواب بھی ہے، یہی طبقہ ہندو سماج پر بالادست ہے۔ ہندوستان میں سب سے بڑی اکثریت شودروں کی ہے جو اس وقت سماجی حقوق سے محروم تھے۔ صدیوں کی عائد شدہ پابندیوں سے وہ عاجز تھے اور راہ نجات کی متلاشی یہ ذہنیت اب بھی ملک میں موجود ہے۔ چونکہ اسلام دین توحید ہے وحدت واجتماعیت کا داعی ہے، جس نے خدا پرستی اور وحدت انسانی کا آہنی نظریہ پیش کیا ہے، بنی نوع انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں، شرافت وعزت کا معیار خدا ترسی ہے، خالق مطلق کی نظر میں سب برابر اور مساوی ہیں اسی نقطہ نظر سے اصول اسلام میں عدل اجتماعی کا قانون ہے، تاکہ بلا تفریق مذہب وملت ہر فرد کے ساتھ انصاف اور حسن سلوک کیا جائے۔

ہندوستانی باشندوں نے اسلام کا نظریہ مساوات برابری کا مشاہدہ بچشم خود کیا اور یہ بھی دیکھا کہ محمود وایاز (آقا وغلام) ایک ہی صف میں شانہ بشانہ بارگاہ الہی میں کھڑے ہیں، یہ کیفیت دیکھ کر ہندوؤں کی بڑی تعداد مشرف بہ اسلام ہوگئی اور انہوں نے اسلام کو نعمت عظمیٰ کی حیثیت سے قبول کیا اور ان کے دل میں یہ شعور جاگ رہا تھا کہ غیر منصفانہ سماجی قیود سے آزادی اسلام میں مضمر ہے، مختصر یہ کہ بلا کسی ظلم وتشدد اور جبر وتحریض کے گاؤں کے گاؤں مشرف بہ اسلام ہوتے گئے، اس میدان میں صوفیائے کرام کی سرگرمیاں ناقابل فراموش ہیں۔ اس دور کا قابل ذکر اہم پہلو یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو منگولوں کے حملوں کا شدید خطرہ تھا اور خوفزدہ تھے اسی اولیں قافلہ نے منگولوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہوئے ہندوستانی سالمیت ودفاع کا حق ادا کردیا اور ان کے چھکے چھڑا دیئے۔ قومی اتحاد ویکجہتی کی بنیاد بھی اسی دور میں پڑی جیسا کہ ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں: ”جب فتح یابی کا پہلا طوفان تھم گیا اور ہندو اور مسلمان ایک پڑوسی کی طرح رہنے سہنے لگے تو بہت دنوں تک ساتھ ساتھ رہنے کی وجہ سے انہوں نے ایک دوسرے کے خیالات، عادات واطوار اور رسم ورواج کو سمجھنے کی کوشش کی اور بہت جلد ان دونوں قوموں میں اتحاد پیدا ہو گیا۔ (بحوالہ اردو مشترکہ ہندوستانی تہذیب، صفحہ ۲۷۴)

برطانوی سامراج کا کردار: برطانوی سامراج نے ہندو فرقہ پرستی اور مسلم فرقہ پرستی کی کاشت کی اور منافرت کا بیج بویا، چنانچہ انیسویں صدی کے اواخر میں تعصب اور فرقہ پرستی کے زہریلے اثرات پھیلنے لگے، امن وانسانیت اور رواداری کی قدریں پامال ہوتی گئیں اور ایک ایسی نسل کی تشکیل ہوگئی جو کلکتہ، بنارس، الہ آباد اور علی گڑھ کے اعلی تعلیمی اداروں سے گریجویٹ تھی، جو نئے تعلیمی نظام اور برطانوی حکومت سے فیض اٹھا کر مغربی تہذیب وتمدن کے گن گا رہی تھی، یہی انگریزوں کا مراعات یافتہ طبقہ تھا اور وہی انگریزی حکومت کا خدمت گزار بھی تھا۔

المختصر سامراج نے اپنے آلہ کاروں کی ایسی ٹولی منظم کردی جس کی وجہ سے حالات بہت بگڑ چکے ہیں اور مسلمانوں کو عملاً شہری نمبر دو کا درجہ دیا گیا ہے۔ یہاں پر یہ امر ذہن نشین ہونا چاہئے کہ ظلم اجتماعی ہمیشہ برقرار نہیں رہتا اس کا بھی زوال یقینی اور مظلوموں کی فتح لابدی ہے۔

موجودہ صورتحال: کسی دور میں ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں اپنا طرز معیشت لائی تھی، جس کی وجہ سے ملک غلامی کی زنجیروں میں جکڑ گیا تھا اب فاشزم کی تخریب کاریوں اور مختلف نوع کی رشوت ستانیوں، بدعنوانیوں، گھوٹالوں گھپلوں اور خطرناک اقتصادی جرائم کے سبب ملک میں معاشی بحران پیدا ہو چکا ہے، نرسمہا راؤ کے دور وزارت میں غیر ملکی سرمایہ کاری کا عفریت دندنانے لگا اس لئے کہ سوویت یونین کے بکھراؤ سے سوشلزم کا فسوں ٹوٹ گیا، عالمی توازن برقرار نہ رہ سکا، سرمایہ داریت اور کھلی منڈی کے سفینہ پر سوار ہونا حالات کا تقاضہ ہو گیا تھا، چنانچہ معاشی اصلاحات کے نام پر غیر ملک کمپنیوں کی سرگرمیاں شروع ہوگئیں، ظاہر ہے ہر نظام معیشت کا اپنا ایک مزاج اور کلچر ہوتا ہے اور مغربی کلچر فحاشی، عریانیت اور بے حیائی کے زہریلے مواد کا نام ہے جسے ہندوستان میں بہت تیزی کے ساتھ گلے لگایا جا رہا ہے جس کے اثرات تعلیمی اداروں اور نظم ونسق کے دیگر اداروں میں پھیل چکے ہیں۔

مندرجہ بالا طرز معیشت اپنے پھیلاؤ کے لئے حربہ اشتہار استعمال میں لاتا ہے اور اشتہار کا جزء لازم ایسے ایسے اشتہارات ہیں جنہیں وہ خریدنے پر مجبور ہو جائیں، اشتہارات کے علاوہ اخبارات ورسائل میں رنگ برنگ کے فیچرز کا ایک طوفان بدتمیزی آیا ہوا ہے۔ یہ صورتحال بے حد خطرناک ہے، پس جو معیشت سودی بنیاد پر ہو اور ظلم اجتماعی کی خوگر ہو جس میں عریانیت، بے حیائی اور فواحش ومنکرات کی کھلی چھوٹ ہو ان کا زوال یقینی ہے، سوویت یونین کا زوال ہمارے لئے سامان عبرت ہے، سرمایہ دارانہ سفینہ بھی بحرانی کیفیت سے گزر رہا ہے، پوری دنیا میں اقتصادی مشکلات کا بے رحم دیو کھڑا ہے، انشاء اللہ مستقبل اسلامی بیداری کے ہاتھوں میں ہے، اس سمت میں دانشوروں کو غور وفکر کرنا چاہئے، اس لئے کہ نئی فکری بنیادوں پر تمدن کی نیو رکھ کر اسے درست تعمیری مراحل سے گزارنا تاکہ وہ انقلابیت وکشش کا آئینہ دار ہو عوامی رجحانات کا تقاضا ہے، اس کے لئے اسلامی بیداری سے روشنی مل سکتی ہے، کیونکہ تاریخی حیثیت سے اسلام ہی کا مادی وروحانی نظام جامع، ہمہ گیر اور مربوط ہے جو انسانی زندگی پر

نقیب کے خریداروں سے گذارش

اگر اس O دائرہ میں سرخ نشان ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے۔ براہ کرم فوراً آئندہ کے لیے سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں، اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائیل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر پر ڈائرکٹ بھی سالانہ یا ششماہی زر تعاون اور بقایہ جات بھیج سکتے ہیں، رقم بھیج کر درج ذیل موبائل نمبر پر خبر کردیں۔

A/C Name: THE NAQUEEB, A/C No: 10331726168
Bank: SBI, Branch J.C. Road, Patna, IFSC Code: SBIN0001233
Mobile: 9576507798 رابطہ اور واٹس آپ نمبر

نقیب کے شائقین کے لئے خوشخبری ہے کہ اب نقیب مندرجہ ذیل سوشل میڈیا اکاؤنٹس پر آن لائن بھی دستیاب ہے۔
Facebook Page: http//@imaratshariah
Telegram Channel: https://t.me/imaratshariah
اس کے علاوہ امارت شرعیہ کے آفیشل ویب سائٹ www.imaratshariah.com پر بھی لاگ ان کر کے نقیب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ مزید مفید دینی معلومات اور امارت شرعیہ سے متعلق تازہ خبریں جاننے کے لئے امارت شرعیہ کے ٹویٹر اکاؤنٹ @imaratshariah کو فالو کریں۔
(مینیجر نقیب)

WEEK ENDING-02/08/2021, Fax: 0612-2555280, Phone:2555351,2555014,2555668, E-mail: naqueeb.imarat@gmail.com, Web. www.imaratshariah.com,

نقیب | قیمت فی شمارہ -/8 روپے | ششماہی -/250 روپے | سالانہ -/400 روپے

Print & Design by : Azimabad Printers, Patna-06 # 9473371988

Scanned with CamScanner